بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامۂ اردو

ریویو آف ریلیجنز

(قادیان)

پرچہ نمبر

دنیا کے مذاہب پر نظر

نمبر

علی محمد اجمیری

Digitized by Khilafat Library

بابت ماہ شوال ۱۳۵۹ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۴۰ء
ماہِ فتح ۱۹ھ ۱۳ش

جلد ۳۹ عدد ۱۲

مقاصد و قواعد رسالہ

رسالہ ریویو آف ریلیجنز (اردو) سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سنہ ۱۹۰۲ء میں حسب ذیل مقاصد کے پیشِ نظر جاری فرمایا تھا:۔

غیر مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی فوقیت ظاہر کرنا۔

مخالفین اسلام کے حملوں کا جواب دینا۔

صحیح اسلامی عقائد کی اشاعت و تعلیم دینا۔

یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو قادیان دارالامان سے شائع ہوتا ہے۔ اگر پندرہ تاریخ تک کسی خریدار کو رسالہ نہ ملے، تو بروقت شکایت موصول ہونے پر رسالہ دوبارہ ارسال کیا جائیگا۔

رسالہ کی سالانہ قیمت اندرونِ ہند تین روپے، اور بیرونِ ہند چار روپے ہے۔ طلباء اور غیر احمدی اصحاب سے رعایتی قیمت اڑہائی روپے لی جاتی ہے۔

خریداران کو دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیئے، ورنہ عدم تعمیل یا تعمیل میں تاخیر کی ذمہ واری دفتر پر نہ ہوگی۔

ترسیل زر اور تمام دفتری امور کے متعلق خط و کتابت بنام مینجر ہونی چاہیئے۔

یہ رسالہ جماعت احمدیہ کا ایک ہی قومی اردو ماہنامہ ہے، اور بوجہ علمی مجلہ ہونیکے اسکے فائل محفوظ رکھے جاتے ہیں۔ اور ایک وسیع علمی طبقہ کی نظر سے گذرتا ہے۔ اس لئے اس میں اشتہار دینا مفید ہے۔ نرخنامہ اشتہارات حسب ذیل ہے:۔

تعداد	ایک ماہ	تین ماہ	چھ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	پانچ روپے	تیرہ روپے	چوبیس روپے	پینتالیس روپے
نصف صفحہ	تین روپے	آٹھ روپے	چودہ روپے	پچیس روپے
ربع صفحہ	دو روپے	پانچ روپے	نو روپے	پندرہ روپے

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ

ماہنامہ

ریویو آف ریلیجنز

(اُردو)

یعنی

Digitized by Khilafat Library

دُنیا کے مذاہب پر نظر اور اہلِ مذاہب کا تشحیذ الاذہان

۳۰- شوّال ۱۳۵۹ھ مطابق یکم دسمبر ۱۹۴۰ء

جلد ۳۹ | نمبر ۱۲

فہرست مضامین

اداریہ	صہ ۲	ایڈیٹر
ہندوستانی سیاست اور گاندھی جی کا اصول عدم تشدد	صہ ۹	"سالم عربی" ایم-اے
اسلام ہیگل کی نظر میں	صہ ۲۷	ماخوذ
حضرت مسیح موعودؑ کا علمی اعجاز	صہ ۳۵	چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم-اے-
نئی کتابوں پر تبصرہ	صہ ۴۷	

اداریہ:۔

پردہ اور بے پردگی ہندوستان میں کچھ عرصہ سے عورتوں کے پردہ کے خلاف بڑے زور سے مہم جاری ہے۔ کہیں مخالفِ پردہ کانفرنسیں ہوتی ہیں، اور کہیں پردہ کے خلاف مظاہرہ کرنے کیلئے بے پردہ عورتوں کے جلوس نکلتے ہیں۔ یہ اُن منظم کارروائیوں کا ایک پہلو ہے، جو ہندوستان میں اسلامی تہذیب وتمدن کو تباہ کرنے کے لئے کی جا رہی ہیں۔

ہندوؤں کا کوئی تمدن نہیں، بلکہ ہندو تمدن زیادہ تر فاتح قوموں کے تمدن کے تابع رہا ہے، جب مسلمان ہندوستان میں آئے، تو ان کی دیکھا دیکھی یہاں کے معزز گھرانوں کی عورتوں میں پردہ رائج ہو گیا۔ اور اب جبکہ یورپین تہذیب وتمدن کا دَور دورہ ہے، تو شرافت اور عزت کا یہ معیار بن گیا، کہ عورتیں بے پردہ ہو کر باہر نکلیں، اور ہر قسم کی مجالس ومحافل کی رونق بنیں۔ پس مخالفِ پردہ تحریک کا نقصان ہندوؤں کو نہیں پہونچ سکتا، کیونکہ ان کا تمدن تو کوئی ہے ہی نہیں، ہاں مسلمانوں کی تہذیب وثقافت کو اس سے یقیناً نقصان پہونچ سکتا ہے۔

Digitized by Khilafat Library

ہندو لیڈر اکثر پردہ کے خلاف اظہارِ خیال کرتے رہتے ہیں، مگر وہ نادانستہ طور پر کبھی ایسے خیالات بھی ظاہر کر دیتے ہیں، جن سے پردہ کی ناگزیری کا زبردست احساس پایا جاتا ہے۔ پچھلے دنوں یو۔پی کے ایک مشہور ہندو قومی کارکن نے الہ آباد کی ایک مشہور ہندو درسگاہ کے سالانہ اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"پردہ کی رسم جواب تک باقی ہے، اس کے ذمہ دار خود ہمارے نوجوان لڑکے ہیں۔

زبان سے تو یہ لوگ جلسوں میں پردہ کی ہزاروں برائیاں کرتے ہیں، لیکن عمل سے پردہ کے دستور کو زندہ کئے ہوئے ہیں۔ ابھی کل کی بات ہے، کہ اسی شہر میں سودیشی نمائش کھلی ہوئی تھی، وہاں ہریجن آشرم کی دوکان پر جہاں اِدھر کوئی لڑکی پہونچی، بس اُدھر سے نوجوان لڑکوں نے بھی اُسے آگھیرا۔ دکان پر لڑکیوں کا اپنی عزت و آبرو بچا کر ٹھہرنا ناممکن تھا۔"

کیا یہ پردہ کی ضرورت کا صاف اقرار نہیں ہے؟ مردوں اور بالخصوص نوجوانوں کی اسی فطرت کو مدنظر رکھکر اسلام نے عورتوں کو پردہ کا حکم دیا۔ عورتوں اور مردوں کے آزادانہ اختلاط کا نتیجہ ہر جگہ یہی ہوگا، صرف شہر الہ آباد کے ساتھ یہ مخصوص نہیں ہے۔ لاہور میں ہر سال دیوالی کے موقعہ پر یہی ہوتا ہے۔ اِس سال جو منظر دیکھنے میں آیا، اس کا حال لاہور کے ایک ہندو کی زبان سے سُن لیجیئے۔ مہاشہ کرشن ایڈیٹر روزنامہ "پرتاپ" لکھتے ہیں:-

Digitized by Khilafat Library

"دیوالی کی رات اِس بار پھر انار کلی لاہور میں ہندو و سکھ دیویوں کا اپمان (توہین) ہوُا۔ اپمان کرنے والے کون تھے؟ یہ تحقیق سے نہیں کہا جاسکتا، لیکن سمجھا یہ جاتا ہے، کہ ان میں کالجوں کے ودیارتھی (طالب علم) بھی شامل تھے، ان میں ہندو مسلم کی تمیز نہ تھی۔ لیکن اپمانت دیویاں بلاشبہ ہندو اور سکھ تھیں، کیونکہ وہی دیوالی دیکھنے وہاں گئی تھیں...... یہ پہلی بار نہیں، کہ دیویوں کی توہین کی گئی، ان سے گندے مخول کئے گئے، اور ان کے لئے چلنا مشکل بنا دیا گیا۔ اس غنڈہ گردی کا سدّباب ہونا چاہیئے۔ گورنمنٹ کا فرض ہے، کہ کرے، اور کسی وجہ سے وہ اس کے لئے تیار نہ ہو، تو ہندو اور سکھ خود اپنی بہنوں کی حفاظت کے لئے تیار ہوں......... اور اگر کسی وجہ سے وہ بھی یہ ذمہ واری

نہ لے سکیں، تو عام ڈونڈی پٹوادینی چاہیئے، کہ کوئی ہندو یا سکھ دیوی دیوالی دیکھنے نہ جائے۔ کیا ہم سب کے لئے ڈوب مرنے کا مقام نہیں، کہ ہماری بہنیں بے کھٹکے اپنا ایک مذہبی تہوار بھی نہیں منا سکتیں، اور اس سے بڑھکر ندامت کی بات یہ ہے، کہ الزام کالجوں کے طلبہ پر ہو، جو ہندوستان کی آئندہ نسل بنیں گے، اور جن پر اسے بہت سی امیدیں ہیں۔" [۱]

اسی اخبار میں ایک اور صاحب لکھتے ہیں:۔

"میں اپنے ہندو اور سکھ بھائیوں سے کہونگا، کہ اگر وہ اپنی ماتاؤں بہنوں اور استریوں کی رکھشا کرنے کے قابل نہیں، تو کیوں وہ انہیں ایسے موقعوں پر اکیلی بازاروں میں نکلنے دیتے ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے، کہ رات کو سنیما سے آتے ہوئے غنڈے انہیں فحش مذاق کرنے لگ جاتے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو، اگر ہندو اور سکھ دیویاں اس طرح اکیلی باہر نکلنا چھوڑ دیں۔ اور ساتھ ہی غیر معمولی طور پر فیشن ایبل بنکر بازاروں میں نہ نکلا کریں۔"

Digitized by Khilafat Library

قرآن مجید نے ایسی ہی خرابیوں سے بچنے کے لئے یہ زریں اور حکیمانہ تعلیم دی ہے، لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ [۲]۔ یعنی عورتیں اپنی زینت کا اظہار غیر مردوں پر نہ کریں، اور اسی کا نام پردہ ہے۔ اسلام عورتوں کی جائز آزادی کا دشمن نہیں ہے۔ اسلام جس چیز کا مخالف ہے وہ یہ ہے، کہ عورتیں بن سنْور کر مَردوں کے سامنے آئیں۔ اور زندگی کے ٹھوس حقائق اسلام کی اس پاکیزہ تعلیم کی صداقت پر مہر ثبت کر رہے ہیں۔

---

[۱] پرتاپ مورخہ ۳ر نومبر ۱۹۴۷ء۔

مسلمان عورتیں بھی اپنے مذہبی تہواروں مثلاً عیدین پر باہر نکلتی ہیں، مگر خدا کا شکر ہے کہ ان کو ایسے ناخوشگوار حادثات سے سابقہ نہیں پڑتا جن سے ہندو عورتوں کو پڑ رہا ہے۔

سکھ اخبار "شیر پنجاب" مورخہ ۲۰ر نومبر سنہ ۱۹۴۰ء اپنے مقالہ افتتاحیہ میں لکھتا ہے:۔

"حقیقت یہ ہے، کہ ہندو اور سکھ گھرانوں کی بے پردگی کا اکثر مسلم نوجوان فائدہ اٹھاتے ہیں، اور چونکہ وہ خود پردہ کرتے ہیں، اس لئے ان میں اور لوگوں کو راہ و رسم پیدا کرنے کا موقعہ نہیں ملتا، اور وہ خود اس بناء پر بچے رہتے ہیں"۔

مسلم نوجوانوں کے "فائدہ" اٹھانے کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ بُرائی، خواہ مسلمان کرے یا ہندو، بہرحال برائی ہی ہے، مگر ہمارے ملک میں چونکہ فرقہ دارانہ رقابت زوروں پر ہے، اس لئے برائی میں بھی رقابت کا جذبہ کارفرما نظر آرہا ہے۔ یہ غنیمت ہے کہ اس جذبۂ رقابت کے باوجود اسلامی پردہ کی فضیلت کو تسلیم کیا گیا ہے۔

اسلامی تمدّن اور ہندو تمدّن اسلام نے اپنے متّبعین کے لئے جس قدر مذہبی تہوار مقرر کئے ہیں، ان میں اور دوسرے مذاہب کے مذہبی تہواروں میں ایک بہت بڑا فرق یہ ہے، کہ اسلامی تہواروں میں کسی مخرّب اخلاق یا لغو چیز کی اجازت نہیں ہے، لیکن دوسرے مذاہب کے مذہبی تہواروں میں اس بات کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ بعض ایسی چیزیں جو دوسرے اوقات میں سخت قابلِ نفرت سمجھی جاتی ہیں، مذہبی تہواروں پر ان کا ارتکاب نہ صرف جائز بلکہ موجبِ ثواب و برکت سمجھا جاتا ہے۔ دیوان بہادر راجہ نریندر ناتھ پنجاب کے ایک بہت بڑے تعلیمیافتہ ہندو بزرگ ہیں، گذشتہ ماہ دیوالی کے موقعہ پر اخبار "پرتاپ" لاہور کے "دیوالی نمبر" میں آپ کا ایک مضمون شائع ہوا، جس میں آپ لکھتے ہیں:۔

"دیوالی کے سمبندھ (تعلق) میں ایک اَور چیز بھی ہے، جس کا اس تیوہار سے وہی سمبندھ ہے، جو کہ سمس کے ساتھ تکّی کھیلوں کا۔ جؤا اس تیوہار کے

کیسا تک ایک عرصہ سے چلا آرہا ہے، اور اس دن جؤا نہ کھیلنا منحوس سمجھا جاتا ہے، چنانچہ ہم بھی اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ کوڑیوں سے جؤا کھیلا کرتے تھے، اور پیسوں کے داؤ لگایا کرتے تھے۔ میرے نزدیک یہ چیز ابھی تک ایک شگون کی شکل میں چلی آتی ہے، اور اب بھی کوئی دیوالی خالی نہیں جاتی، جب بچوں کے ساتھ مَیں ایک آدھ منٹ بیٹھکر کوڑیوں کو ہاتھ نہ لگا لوں۔"

ایک اَور ہندو فاضل کے مضمون کا اقتباس بھی ملاحظہ ہو، جو انہوں نے ایک انگریزی روزنامہ میں دیوالی اور اس کے فلسفہ پر لکھا۔ فرماتے ہیں:۔

"آج (دیوالی) کے دن جؤا کھیلنا مبارک ہے، روایتوں میں آیا ہے، کہ آج ہی کے دن شیوجی نے اپنی بیوی پاربتی سے جؤا کھیلا تھا، اور اپنی ساری ملک ہار بیٹھے تھے۔ اور آج ہی تمام دیوتاؤں مثلاً شیوجی، پاربتی، کرنک، گنیش، نارو، راون وغیرہ نے قمار بازی کی ہے، اور آج ہی وشنو جی پانسہ کے قالب میں داخل ہوئے ہیں، اور پاربتی نے آج کے دن جؤا کھیلنے والوں کو کامیابی کی بشارت دی ہے۔ انسان کی دنیوی زندگی کے اعمال و مشاغل بجز جُوئے کے اور ہیں کیا؟ اور آج کے دن جوئے کو مبارک قرار دینے کے معنے یہ ہیں، کہ انسان اپنے اعمال اور افعال میں زیادہ محتاط و متدین رہے۔"

جو لوگ یہ دریافت کیا کرتے ہیں، کہ اسلامی تہذیب و تمدّن ہے کیا چیز؟ کیا ان کو اب بھی یہ بتانے کی ضرورت ہے، کہ اسلامی تہذیب و تمدّن اور ہندو تہذیب و تمدن میں کوئی مابہ الاشتراک ہی نہیں، کہاں یہ روایات کہ بڑے بڑے دیوتا اور خداؤں نے جؤا کھیلا، اور کہاں یہ حکم کہ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ

عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ - شراب اور قمار بازی ناپاک اور شیطانی کام ہیں، ان سے بچو۔ حقیقت یہ ہے، کہ اسلام کا تمدن ایک علیحدہ اور مستقل چیز ہے، جو دوسری کسی قوم کی تہذیب اور تمدن سے کسی قسم کا اشتراک نہیں رکھتا۔

فتنہ انکار حدیث مسلمانوں میں ہمیشہ سے ایک طبقہ حدیث کا منکر چلا آیا ہے۔ مگر اسے کبھی جماعتی حیثیت نہیں ہوئی، بلکہ صرف انفرادی طور پر بعض لوگ حدیث کا انکار کرتے رہے ہیں، اور اس لئے ایسے لوگوں کو کبھی اہمیت نہیں دی گئی، لیکن اب کچھ عرصہ سے منکرینِ حدیث ایک جمعیت کی شکل اختیار کرتے جاتے ہیں، چنانچہ اِس وقت ایک ماہوار رسالہ "البیان" کے نام سے امرت سر سے شائع ہوتا ہے، جو "امت مسلمہ" کا آرگن کہلاتا ہے، اور دوسرا "طلوع اسلام" کے نام سے دہلی سے نکلتا ہے، جو ڈاکٹر سر محمد اقبال کی یادگار بتایا جاتا ہے۔ یہ دونوں رسالے گو صاف الفاظ میں حدیث کے انکار کا اظہار نہیں کرتے، بلکہ اسے اپنے اُوپر ایک الزام کہتے ہیں، لیکن جو شخص ان کے چند پرچے بھی دیکھے گا، اُسے صاف پتہ لگ جائے گا، کہ یہ اس گروہ کی نمائندگی کر رہے ہیں جس کا مسلک انکار حدیث ہے۔ ان دونوں رسالوں میں وقتاً فوقتاً بطور طنز ایسی حدیثیں درج کی جاتی ہیں، جو ان کے نزدیک قابلِ اعتراض معلوم ہوتی ہیں، اور بعض اوقات احادیث پر تنقید بھی ہوتی ہے۔ اسی طرح مسائل کے استنباط کے ضمن میں بھی احادیث کو قابلِ حجت نہیں مانا جاتا۔

Digitized by Khilafat Library

اب چند روز سے بعض مسلمان اخبارات میں ان کے متعلق چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں، چنانچہ "طلوع اسلام" کے بارے میں لکھنؤ کے اخبار "صدق" میں بعض مراسلے شائع ہوئے ہیں، جن میں فتنہ انکار حدیث کے مقابلہ کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔ گو اس اخبار کے فاضل مدیر مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی نے اس معاملہ کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دی۔ بلکہ آپ نے "طلوع اسلام" کے

مسلک کی گونہ تاویل کرنے کی کوشش کی ہے، مگر مراسلات سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے، کہ اس فتنہ کے سدّباب کی طرف توجّہ پیدا ہو گئی ہے۔

ہمارے نزدیک "طلوع اسلام" چونکہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کی یادگار ہے، اور سر موصوف نے اپنی عمر کے آخری حصّہ میں جماعت احمدیہ کے خلاف جو مضامین لکھے، ان کی بنیاد ہی انکار حدیث پر ہے، اس لئے "طلوع اسلام" کے لئے انکار حدیث کے مسلک کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال نے احمدیت کے خلاف جو مضامین لکھے، ان کا یہ لازمی ردّ عمل تھا، اور یہ امّت اسلامیہ کے لئے ایک خطرناک فتنے کا دروازہ ہے۔ احمدیت کی مخالفت کے جوش میں ان مضامین کی اُس وقت تو تعریف کی گئی، مگر یہ نہ سوچا گیا، کہ ان کا نتیجہ کیا ہوگا۔ کاش! اب بھی مسلمان اس طرف متوجّہ ہوں، اور ان مضامین سے پیدا شدہ اثر کے ازالہ کی کوشش کریں ؛

Digitized by Khilafat Library

ہندوستانی سیاست

اور

گاندھی جی کا اصول عدم تشدد

(از "سالم عربی" ایم-اے)

گذشتہ جنگِ عظیم ایک بہت بڑے انقلاب کا پیش خیمہ تھی۔ اس جنگ کے بعد انسانی زندگی کے ہر حصہ میں ایک انقلاب عظیم برپا ہوا۔ سلطنتیں، قومیں، ملک اور مذاہب سب ہی اس سے متاثر ہوئے۔ تمدن، تہذیب، اخلاق، سیاست، معیشت و معاشرت غرض ہر چیز کے متعلق انسان کا نقطۂ نظر بدلا۔ گذشتہ ربع صدی میں انسانی حالات و افکار، تخیلات اور کردار و اعمال میں جتنا تغیر ہوا ہے، شاید اس سے قبل ایک ہزار سال میں بھی کبھی اتنا نہ ہوا تھا۔ جنگ عظیم سے قبل اور بعد کی دُنیا دو بالکل مختلف چیزیں ہیں۔ اس ہیجان و تلاطم میں بڑی بڑی سلطنتیں جو صدیوں سے اپنے اپنے ملکوں میں پہاڑوں کی سی مضبوطی سے قائم تھیں، یوں جڑ سے اُکھڑ گئیں، کہ گویا ان کا کبھی کوئی وجود ہی نہ تھا۔ روس، جرمنی، ٹرکی، مصر، ایران، افغانستان، جاپان، چین، عرب، مراکش، الجیریا، اٹلی، سپین غرض ہر ملک نے اس انقلاب سے حصّہ لیا۔ سیاسی، اقتصادی اور معاشی نظام منقلب ہوا۔ زاروں، قیصروں اور شاہنشاہوں کے تخت اُلٹ گئے۔ اور ان کی جگہ قریبًا ہر ملک میں ایسے عامی افراد برسرِ اقتدار آگئے، جن کے ناموں سے بھی چند سال پہلے دُنیا آشنا نہ تھی۔ لینن، ہٹلر، مسولینی، مصطفٰی کمال، سٹالین، زاغلول پاشا، رضا شاہ پہلوی اور ابنِ سعود اپنے اپنے ملک کی قسمت کے مالک ہوئے۔

ہمارا ملک ہندوستان بھی اس عالمگیر انقلاب سے متاثر ہوا۔ جنگِ عظیم کے معًا بعد اس ملک میں بہت بڑی سیاسی بیداری پیدا ہوئی۔ اس بیداری کے نتیجہ میں مسٹر گاندھی کو، جو اس وقت تک نسبتًا ایک غیر معروف انسان تھے، بہت بڑی عزت حاصل ہوئی۔ ایک ایسے انسان سے جس کو اپنے صوبہ سے باہر بہت کم لوگ جانتے تھے، وہ ایک بین الاقوامی شہرت و عزّت کے مالک ہو گئے۔

Digitized by Khilafat Library

مسٹر گاندھی کی پبلک زندگی کا آغاز، جس کی وجہ سے ان کو موجودہ عزت و شہرت حاصل ہوئی، اپریل ۱۹۱۹ء سے ہوا، جب انہوں نے رولٹ ایکٹ کے خلاف اپنے مخصوص انداز میں جس کو وہ "سچائی کی تلاش میں روحانی تجربات" کے نام سے یاد کرتے ہیں، ایجی ٹیشن شروع کی۔ گاندھی جی ایک عجیب پُراسرار شخصیت ہیں، جس کا سمجھنا اور جس کی اصلیت اور حقیقت کو پہچاننا کچھ آسان بات نہیں۔ وہ ایک سیدھے سادھے سادھو بھی معلوم ہوتے ہیں، اور ایک چالاک اور ہوشیار سیاست دان بھی ہیں۔ حق و سچائی کے پرستار اور دلدادہ بھی اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں، اور راستی و صداقت سے کوسوں دور بھی معلوم ہوتے ہیں۔ نہایت صاف اور سادہ گفتگو بھی کرتے ہیں، اور ساتھ ہی نہایت پیچیدہ اور مبہم اور ذو معانی طرز تحریر اور گفت گو کے عادی بھی ہیں۔ ہندو مسلم اتحاد کے خواہشمند بھی معلوم ہوتے ہیں، اور ان قوموں میں بغض و عناد و بداعتمادی کی خلیج وسیع کرنے کے سب سے زیادہ ذمہ وار بھی وہی ہیں۔ مصیبت و فلاکت کے مارے ہوئے غریبوں کے غمگسار بھی ہیں، اور سرمایہ داروں اور دولتمندوں کے مددگار اور پشت پناہ بھی۔ اچھوتوں کے ساتھ دوستی کا دم بھی بھرتے ہیں، اور ان کے سیاسی اور اقتصادی حقوق کے مخالف بھی ہیں۔ تمام مذاہب کو یکسان طور پر سچا بھی مانتے ہیں، اور اپنے اعمال و کردار سے ہندو مذہب اور پرانی ہندو تہذیب کے قیام کے خواہشمند اور اس کے لئے کوشاں بھی رہتے ہیں۔ غرضیکہ گاندھی جی ایک عجیب و غریب اور سراپا معمّہ ہستی ہیں جن کے دل کے رازوں سے جواہر لال، پٹیل، راجگوپال آچاری اور ابو الکلام تک بھی بے خبر ہیں

اس پُراسرار شخصیت کی سمجھ میں نہ آنے والی باتوں میں سے سب سے زیادہ مشکل اور نہ سمجھی جانے کے قابل یہ بات ہے، کہ باوجود اپنے سیاسی پروگرام اور "روحانی تجربات" کی مکمل ناکامی کے ان کے اقتدار میں ذرا فرق نہیں آتا۔ بے شک ہندوستانی مسلمانوں کو بحیثیت قوم ان پر کوئی اعتماد نہیں رہا۔ یہ سچ ہے، کہ کانگریس کے بڑے بڑے لیڈروں کے سیاسی عقائد اور گاندھی جی کے خیالات میں بہت حد تک یگانگت مفقود ہے۔ یہ بھی سچ ہے، کہ گاندھی جی اچھوتوں کا اعتماد بھی کھو چکے ہیں، اور سکھ قوم کا ایک بہت بڑا حصّہ بھی ان کی سیاست سے بیزار ہو چکا ہے، اور عیسائیوں میں سے بھی اکثر لوگ اب ان کی روحانیت کے قائل نہیں رہے، لیکن ان سب باتوں کے باوجود وہ الف لیلہ کے شیخ البحر کی طرح ہندوستانی سیاست کی گردن پر اس طرح سے سوار ہیں، کہ اترنے کا نام ہی نہیں لیتے۔

گاندھی جی کے سیاسی اور مذہبی پروگرام میں ان کے فلسفۂ عدم تشدّد کو سب سے بلند مقام حاصل ہے، اور یہ فلسفہ ان کے "تلاشِ حق میں روحانی تجربات" کی گویا جان ہے۔ عدم تشدّد یا اہنسا کے متعلق گاندھی جی کو اتنا غلو ہے، کہ وہ ایسی آزادی بھی لینے کو طیّار نہیں ہیں، جو تشدّد سے حاصل کی گئی ہو، اور جس کے قیام اور حفاظت کے لئے کسی شکل اور صورت میں بھی تشدّد کے استعمال کی ضرورت پڑے۔ لیکن جس طرح گاندھی جی کے دوسرے افکار و خیالات ایک معمّہ ہیں، اسی طرح ان کا عدم تشدّد کا عقیدہ بھی ایک چیستان ہے۔ پتہ نہیں لگتا، کہ یہ عدم تشدّد ہے کیا چیز؟ اور گاندھی جی کا اس سے مطلب کیا ہے؟ مختلف اوقات میں گاندھی جی نے عدم تشدد کی مختلف تعریف کی ہے۔ ایک عورت کی عصمت کی حفاظت میں وہ تشدد کو جائز سمجھتے ہیں، لیکن ایک پورے ملک کی عصمت یعنی آزادی کے حصول اور حفاظت کی خاطر وہ تشدد کے استعمال کو ناجائز خیال کرتے ہیں۔ ایک دیوانے کتّے یا بندر کو ہلاک کرنے کی تلقین کرتے ہیں، لیکن سیاسی دیوانوں، قزاقوں اور ڈاکوؤں کے ایک گروہ کے مقابلہ کو جو بنی نوع انسان کی آزادی برباد کرنے کے درپے ہیں، جائز نہیں سمجھتے بلکہ

کے ہندوؤں کو یہ مشورہ دیتے ہیں، کہ عدم تشدد سے اگر ان میں بزدلی پیدا ہوتی ہے، تو وہ تشدد اختیار کرلیں، لیکن فرانس کی بزدلی کی، جس کے نتیجہ میں ایک پوری قوم اپنی آزادی سے محروم کی جاچکی ہے، تعریف کرتے ہیں، اور انگریز قوم کو بھی ایسی ہی بزدلی اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ سچ بات تو یہ ہے، کہ جیسا ڈاکٹر بھگوان داس نے جو خود ایک پکے کانگرسی، گاندھی جی کے بھگت اور ایک بہت بڑے سنسکرت کے عالم ہیں، فرمایا ہے، گاندھی جی کے فلسفہ کو وہ خود ہی جانتے ہیں، اور ان کے دل کے رازوں سے وہ خود ہی واقف ہیں، دوسرا کوئی ان کو نہیں جانتا۔

Digitized by Khilafat Library

گاندھی جی کے اس فلسفہ کو نہ پٹیل سمجھے ہیں، نہ آزاد، نہ جواہر لال اور نہ راجگوپال آچاریہ ورنہ پونا میں کانگرس ورکنگ کمیٹی نیشنل گورنمنٹ کے مطالبہ کا وہ ریزولیوشن پاس نہ کرتی، جس کے پاس ہونے پر گاندھی جی کانگرس سے روٹھ گئے۔ اور ہمارا تو یہ خیال ہے، کہ خود گاندھی جی بھی نہیں جانتے، کہ عدم تشدد سے ان کی کیا مراد ہے، ورنہ مختلف اوقات میں وہ اس کی مختلف تعریفیں نہ کرتے۔ بہرحال اپنے اس اصول کے متعلق جو وہ کہا کرتے ہیں، اور لکھا کرتے ہیں اور جو کچھ عام لوگ ان کے اس اصول کے متعلق سمجھتے ہیں، وہ یہ ہے، کہ طوعی طور پر مصائب اور دکھ برداشت کرکے اور مخالف کی سختی اور ظلم کا محبت سے جواب دے کر اس کی ضمیر کو مجبور کیا جائے، کہ وہ حقدار کے غصب کردہ حقوق کو واپس کردے۔ گاندھی جی نے اپنے عدم تشدد کا کچھ اس زور سے پراپیگنڈا کیا، اور اس اصول کی حقیقی شکل وسپرٹ کے متعلق غلط فہمی کچھ ایسے وسیع پیمانے پر پیدا ہوگئی، کہ عیسائیت کے بڑے بڑے مذہبی لیڈروں — بشپوں اور آرچ بشپوں تک — نے گاندھی جی کے اصول آہنسا کو حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم کی ایک عملی شکل سمجھ لیا۔ حالانکہ مسیح کی تعلیم اور گاندھی جی کے اصول میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ حضرت مسیح تو کہتے ہیں، کہ ظالم تجھ سے جو کچھ لیتا ہے، اسے لینے دے، لیکن مسٹر گاندھی بتاتے ہیں، کہ ظالم نے تجھ سے جو کچھ لے لیا ہے، اُسے تو بغیر جنگ اور لڑائی کئے

کس طرح واپس لے سکتا ہے، حضرت مسیح کا نظریہ یہ ہے۔ کہ انسانی فطرت نیک ہے، جب تُو اعلیٰ درجہ کے عفو کی مثال اس کے سامنے پیش کرے گا، تو تیرے عفو سے متاثر ہو کر تیرے مخالف کی ضمیر اسے ملامت کرے گی، اور اس کا اندرونی انصاف جوش میں آئے گا، اور وہ تجھ سے نیک سلوک کرنے پر آمادہ ہو جائے گا۔ اس کے مقابلہ میں گاندھی جی کا نظریہ یہ ہے کہ تیرا مخالف جو مطالبہ تجھ سے ایسا کرے، جس کا اُسے حق حاصل نہیں ہے تو تُو اُسے مار نہیں، لیکن اُسے وہ مطالبہ بھی پورا نہ کرنے دے، اور اس کی مرضی کے خلاف چل۔ یہ دونوں نظریئے ہی ناقص ہیں، اسی لئے وسیع پیمانے پر کبھی بھی کامیابی سے ان پر نہ عمل ہوا ہے، اور نہ ہو سکتا ہے۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں، کہ ایک نظریہ میں (یعنی مسیحی نظریہ میں)، عفو سے نیکی کو ابھارنے کی تعلیم ہے، اور دوسرے میں خاموش مقابلہ سے جابر کا ہاتھ روکنے کی۔ ایک تعلیم ہمیں یہ سکھاتی ہے، کہ تُو اپنے معاملہ کو خدا کے سپرد کر، اور دوسری تعلیم یہ سکھاتی ہے، کہ تُو اپنے مخالف کا اس طرح مقابلہ کر، کہ خواہ تو کتنا ہی ظالم ہو، لوگ تجھے مظلوم سمجھتے رہیں۔ مسیح کی تعلیم پر عمل کرنے والا انسان گو اپنے مخالف کو ظلم پر دلیر کر دے، مگر وہ خود ظلم نہیں کر سکتا، اور نہ دوسرے کو ظلم پر مجبور کرتا ہے، لیکن مسٹر گاندھی کی تعلیم پر عمل کرنے والا انسان خود بھی ظلم کا مرتکب ہو سکتا ہے، اور دوسرے کو بھی ظلم پر مجبور کر سکتا ہے۔

Digitized by Khilafat Library

حق یہ ہے، کہ گاندھی جی کے نظریہ کو ان کے الفاظ کی نرمی اور خوبصورتی کی وجہ سے لوگوں نے ٹھیک طور پر سمجھا ہی نہیں، یہ نظریہ مظلومی کا نظریہ نہیں، بلکہ انتقام بالواسطہ کی ایک قسم ہے، جس کو کبھی بائیکاٹ اور کبھی آئین حکومت کی نافرمانی کا نام دیا جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے، کہ انتقام بالواسطہ اور انتقام بلاواسطہ میں سوائے شکل کے اور کوئی فرق نہیں۔ حضرت مسیح کی عفو اور محبت کی تعلیم پر عمل کرنے والے انسان کے ذہن میں بائیکاٹ یا آئین حکومت کی نافرمانی کا خیال تک بھی نہیں آ سکتا۔ مگر گاندھی جی کے اصول عدم تشدد

کی جان ہی بائیکاٹ اور سول نافرمانی ہے۔

"تم ایک کتّے یا سانپ کو نہ مارو، کہ یہ عدم تشدّد کے اصول کے خلاف ہے۔
لیکن ان لوگوں کی دوکانوں پر پہرہ لگا کر جو بدیشی کپڑا کی تجارت کرتے ہیں،" ان کے ذریعہ معاش کو برباد کرکے ان کے بیوی اور بچوں کو بے شک بھوکے مارو۔"

یہ ہے گاندھی جی کے اصول عدم تشدّد اور محبت و پیار کی تعلیم کا خلاصہ۔ ایک شخص کو زہر دے کر مارنا اور اس کو پانی نہ پینے دینا کہ وہ پیاس سے مرجائے، اس میں کیا فرق ہے؟ گاندھی جی زور سے مقابلہ کرکے یعنی زہر دیکر اپنے مخالف کو نہیں مارنا چاہتے، لیکن عدم تشدّد سے یعنی پیاسے کو پانی سے محروم کرکے مارنا چاہتے ہیں۔ اور یہ ان کے نزدیک سراسر محبت اور پریم ہے۔

Digitized by Khilafat Library

ہم تو یہی سمجھتے ہیں، اور بلا خوف تردید یہ کہتے ہیں، کہ گاندھوی عدم تشدّد کا نظریہ غیر طبعی نظریہ ہے، اور اس کی بنیاد بزدلی پر ہے۔ خواہ اس کو کیسے خوبصورت الفاظ میں پیش کیا جاوے۔ اس اصول پر کبھی بھی کامیابی سے عمل نہیں کیا جاسکتا۔ وسیع پیمانے پر اس پر عمل کرنے سے یا تو قوم بزدل ہوجاتی ہے، یا اس کا نتیجہ وسیع پیمانے پر تشدّد کا اظہار ہوتا ہے، یہی وجہ ہے، کہ گذشتہ بیس سالوں میں جب سے گاندھی جی کو ملک میں سیاسی اقتدار حاصل ہوا ہے، جب کبھی بھی انہوں نے اس اصول پر عمل کرنے کی تلقین کی ہے، اس کا نتیجہ خونریزی ہوا۔

انتقام ایک طبعی جذبہ ہے، اور جس طرح دوسرے تمام طبعی جذبات کسی نہ کسی ضرورت کو پورا کرتے ہیں، یہ بھی بقائے نسل کی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ انسان بہت سے حالات کے ماتحت اپنی ذاتی نیکی کو بھول جاتا ہے، اور دوسروں کے حقوق میں دخل انداز ہوتا ہے، اس وقت حدبندی کے اندر رکھنے کے لئے اس شخص کو جسے نقصان پہونچایا گیا ہو، یا اس کے خیر خواہوں یا محافظوں کو کوئی نہ کوئی ذریعہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ وہ ذریعہ کبھی نصیحت، کبھی

محبت، کبھی حسن سلوک اور کبھی بالمقابل ایذادہی کی شکل میں اختیار کیا جاتا ہے، اور جب وہ آخری صورت میں ہو تو اُسے انتقام کہتے ہیں۔

طبعی جذبات جب عقل کے ماتحت لائے جاتے ہیں، تو ان کا استعمال اخلاق کہلاتا ہے۔ اور جب بغیر حد بندی کے وقتی جوش کے ماتحت ہوں، تو وہ بداخلاقی کہلاتے ہیں۔ پس قدرت کے ایک عطا کردہ جذبہ کے استعمال کو غیر مشروط طور پر بُرا کہنا بے سمجھی اور بے عقلی کی بات ہے۔ اور قوانینِ قدرت کا مقابلہ کرنے سے کوئی انسان یا قوم اپنے اس غیر طبعی فعل کے خمیازہ سے بچ نہیں سکتی۔ سو غیر مشروط عدم تشدّد کوئی اچھا خلق نہیں، بلکہ بدخلقی ہے، اور غیر مشروط طور پر ہر حالت میں اس کا استعمال یقیناً بُرے نتائج پیدا کرتا ہے، اور جیسا کہ مَیں ذکر کر چکا ہوں، ہندوستان میں گاندھی جی نے اہنسا یا عدم تشدّد کا جب بھی استعمال کیا ہے، اس کا نتیجہ بُرا نکلا ہے۔ ۶ر اپریل ۱۹۱۹ء کو ہندوستان عدم تشدّد کے اصول سے پہلی مرتبہ آشنا کیا گیا۔ اور اسی دن رولٹ ایکٹ کے خلاف گاندھی جی کی ہدایات کے مطابق سارے ہندوستان میں ہڑتال کی گئی، اور لوگوں سے کہا گیا، کہ اس دن روزہ بھی رکھا جائے۔ اس کا نتیجہ وہ فسادات اور خونریزی تھی، جو امرتسر، دہلی، گوجرانوالہ اور پنجاب کے دیگر شہروں میں ہوئی، جس کے نتیجہ میں جلیانوالہ باغ اور پنجاب میں مارشل لاء کے جگر پاش واقعات ظہور میں آئے۔ یہ عدم تشدّد کے استعمال کا پہلا پھل تھا جس کے نتیجہ میں ہندوستانیوں اور انگریزوں کے دلوں میں ایک دوسرے سے نفرت کی وہ خلیج پیدا ہوئی، جو ابھی تک ـــــ کہ اس واقعہ پر ۲۰ سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے ـــــ پاٹنے میں نہیں آتی۔

Digitized by Khilafat Library

عدم تشدّد کی بنیاد تشدّد سے اجتناب اور اپنے مخالف سے محبت کرنے پر رکھی گئی تھی، لیکن پہلی دفعہ ہی اس کا نتیجہ وسیع پیمانہ پر خون ریزی اور ایک لمبے عرصہ کے لئے دو قوموں میں نفرت و بغض کے جذبات کی شکل میں ظاہر ہوا۔ قریباً ۱/۲ ۲ سال بعد عدم تشدّد

کے اصول کا دوسرا مظاہرہ ہؤا۔ یعنی شاہزادہ ویلز کی ہندوستان میں آمد پر لوگوں کو ہڑتال کی تلقین کی گئی۔ اور عدم تشدّد اور اپنے مخالف سے محبت پر زور دیا گیا، نتیجہ یہ ہؤا، کہ جس دن شاہزادہ ویلز جہاز سے اُترے، بمبئی میں سخت فساد ہؤا۔ بہت سے لوگ مارے گئے اور خود گاندھی جی کے بمبئی میں موجود ہونے اور فساد کو دور کرنے کی کوشش کے باوجود فساد نہ رُکا۔ جب تک کہ پولیس اور فوج نے گولی چلا کر فسادیوں کو منتشر نہ کیا۔ اس کے بعد تین مہینے تک گاندھی جی بڑے زور سے لوگوں کو عدم تشدّد اور اپنے مخالف سے محبت اور خود کو تکلیفوں اور دکھوں میں ڈالنے کی تلقین فرماتے رہے۔ اور جب عدم تشدّد کے اصول کی ایک شکل یعنی عدم ادائیگی ٹیکس کی بردولی میں تیاری کر رہے تھے، تو چوری چورا کا واقعہ ہؤا۔ اور وہ جن کو کہا گیا تھا، کہ سانپ تک کو مارنا بھی درست نہیں، ان ظالموں نے بیگناہ انسانوں کو نہایت بے دردی سے قتل کیا، اور ان کے مکان کو آگ لگا کر ان کو زندہ جلانے کی ناپاک کوشش کی گئی۔ اس کے بعد سہارن پور، کوہاٹ، ملتان وغیرہ میں فسادات ہوئے۔ اور یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے، کہ عدم تشدّد کے اصول سے ہندوستان کو آشنا ہونے کے بعد جتنے فسادات اس بدقسمت ملک میں رونما ہوئے، جتنے بیگناہوں کا خون بہایا گیا، جتنی نفرت ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے سے پیدا ہوئی، اس سے پہلے کبھی نہ اتنے فسادات ہوئے تھے، نہ بے گناہوں کے خون کی اتنی ارزانی ہوئی تھی، اور نہ دو ہمسایہ قوموں میں اس قدر باہمی نفرت ہوئی تھی،

اہنسا کے اصول کی ایک شکل برت رکھنا بھی ہے۔ گاندھی جی نے سمجھا کہ میں اگر اپنے قول اور وعظ و نصیحت سے لوگوں کو عدم تشدد کے اصول کی خوبیوں کو نہیں سمجھا سکا، تو اپنے فعل سے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر ان کو اس اصول کی خوبیوں سے آگاہ کروں گا۔ چنانچہ ۱۹۲۴ء میں انہوں نے مولینا محمد علی کے مکان پر ۲۱ دن کا برت رکھا۔ اس برت کی دُور دُور تک دھوم مچی اور شہرہ ہؤا۔ سمجھا یہ گیا، کہ اس برت کے نتیجہ میں ہندو مسلم منافرت دور ہوگی

اور ان دونوں قوموں میں محبت قائم ہوگی۔ لیکن ہوا یہ، کہ دو سال تک ہندوستان میں اتنے ہندو مسلم فسادات ہوئے، کہ نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد آجتک اتنے فسادات کبھی ہوئے۔ یہاں تک کہ لارڈ ارون نے اس وحشت کو دیکھکر انسانیت اور شرافت کے نام پر ہندوستانیوں سے اپیل کی، کہ اس طرح ایک دوسرے کا گلہ کاٹ کر ہندوستان کو دنیا کی نظروں میں ذلیل نہ کریں۔ اصل میں یہ قدرت کا انتقام تھا۔ قدرت کے ایک صحیح اصول کو غلط قرار دیا گیا، اور ایک غلط اصول کو رائج کرنے کی کوشش کی گئی، اور اس کو سب خوبیوں اور نیکیوں کا خلاصہ بتایا گیا۔ قدرت اپنے قوانین کی خلاف ورزی کی سزا دیئے بغیر کبھی نہیں چھوڑتی۔

Digitized by Khilafat Library

بات اصل میں یہ ہے، کہ نہ صرف عدم تشدد کا اصول غیر طبعی اور غیر معقول ہے، بلکہ ہندوستان میں اس کو غلط بنیادوں اور غلط وقت میں رائج کرنے کی کوشش کی گئی۔ رولٹ ایکٹ کے جاری ہونے کی وجہ سے ہندوستانیوں کو برٹش قوم اور برٹش حکومت سے سخت شکایت تھی، اور بجا شکایت تھی۔ ان کے دل میں اس حکومت اور بہت حد تک برٹش قوم کے خلاف نفرت کے جذبات موجزن تھے۔ نفرت اور دشمنی کے ان جذبات کو عدم تشدد کی عملی صورت دینے کی کوشش کی گئی۔ لوگوں سے ایک طرف تو یہ کہا گیا، کہ تم نے جنگِ عظیم میں لاکھوں انسانوں کی جانوں اور کروڑ ہا روپیہ سے برٹش حکومت اور قوم کی مدد کی، اور اس کے بدلہ میں تم کو آزاد کرنے کی بجائے رولٹ ایکٹ کی شکل میں تمہاری مجلسی اور سیاسی آزادی کو پہلے سے بھی زیادہ محدود و مخدوش کر دیا گیا ہے۔ اس وقت برٹش قوم اور حکومت کے ہندوستانیوں پر دیگر مظالم بھی گنائے گئے۔ ہندوستان کو نہتہ کرنے اور اس کو مفلس اور قلاش کرنے کا الزام بھی پلیٹ فارم اور پریس سے بار بار دھرایا گیا۔ اور دوسری طرف یہ بھی کہا گیا، کہ ہمیں انگریز قوم کے اعمال و افعال سے تو نفرت کرنی چاہیئے، لیکن اس کے افراد سے محبت کرنی چاہیئے۔ اول تو یہ بات ہی نامعقول ہے، کہ کسی شخص کے فعل سے نفرت

کی جائے۔ لیکن اس کی ذات سے محبت۔ کیونکہ کسی انسان کی عزت یا اس سے محبت یا اس سے نفرت اس کے اعمال کی وجہ سے ہی کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ کسی شخص کے فعل اور اس کے وجود میں تمیز اور ان کو الگ الگ چیز سمجھنا اتنی مشکل اور نازک بات ہے، کہ شاید گاندھی جی اور ان کے چند مخصوص عدم تشدّدی مرید اس کو سمجھتے ہوں۔ وہ لاکھوں اور کروڑوں ہندوستانی جن کو عدم تشدّد کا سبق پڑھایا گیا، نہ صرف یہ کہ اس تمیز کو سمجھ نہ سکے، بلکہ وہ اس کے سمجھنے کے اہل ہی نہ تھے۔ نتیجہ خون ریزی، فساد اور قوموں اور فرقوں میں ایک دوسرے سے نفرت، بغض، حسد، اور دشمنی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ کراچی کانگریس کے موقعہ پر کانگریس کے پلیٹ فارم سے اور گاندھی جی کی زبان سے بھگت سنگھ اور اس کے ساتھیوں کی تعریف ہوئی۔ ان کو سچے محبّ وطن اور خادم وطن کہا گیا، گو دبی زبان سے چند الفاظ ان کے فعل کی مذمت میں بھی کہے گئے، نتیجہ یہ ہوا، کہ کراچی کانگریس کے ایک سال کے اندر اندر اتنے ہولناک فساد ملک میں ہوئے، اور انسانی خون اتنا ارزاں سمجھا گیا، کہ سرزمین ہند بے گناہ انسانوں کے بہائے ہوئے خون سے لالہ زار بن گئی۔ بنگال، کانپور، شولا پور، آگرہ اور بنارس میں ہزاروں انسان موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے، اور یہ سب کچھ ان لوگوں نے کیا، جو اصول عدم تشدد کے "پیغمبر" کے پیرو تھے۔ اور کراچی سے تازہ بتازہ عدم تشدد کا سبق گاندھی جی کی زبان فیض ترجمان سے سُنکر آئے تھے۔ حق بات یہ ہے، کہ قوانین قدرت اور طبعی جذبات سے اس آسانی سے کھیلا نہیں جا سکتا، جس طرح گاندھی جی اس سے کھیلنا چاہتے ہیں۔

Digitized by Khilafat Library

میں یہ کہہ رہا تھا، کہ گاندھی جی کے قول کے مطابق برت بھی عدم تشدّد کے اصول کی ایک شکل ہے، اور ترقی یافتہ شکل۔ لیکن جس طرح گاندھی جی کے اصول عدم تشدّد کا استعمال ہندوستان کی سیاسی زندگی میں بہت خطرناک نتائج پر منتج ہوا، اسی طرح اس اصول کی ایک ترقی یافتہ شکل یعنی برت کے استعمال سے بھی کوئی خوش کن نتائج پیدا نہیں ہوئے

یہ بات تو سمجھ میں آسکتی ہے، کہ برت جیسے برت رکھنے والے انسان کو خود کوئی اخلاقی یا رُوحانی فائدہ پہونچے۔ یہ بھی سمجھ میں آسکتا ہے، کہ اس کے چند قریبی افراد بھی اس سے متاثر ہوں، لیکن یہ کہ قوموں اور فرقوں کے سیاسی اور مجلسی حقوق کا فیصلہ ایک شخص کے برت کے ذریعہ کیا جائے، یہ برت جیسے مقدس فعل کا نہایت بُرا استعمال ہے۔ لیکن گاندھی جی کے برت اکثر اوقات بجائے روحانی ہونے کے خالص سیاسی ہوتے ہیں، اور ان سے سیاسی فوائد حاصل کرنا ہی ان کے مدّنظر ہوتا ہے۔ اس لئے ہمیشہ ان کا نتیجہ بُرا نکلا ہے۔ ۱۹۲۴ء کا تین ہفتے کا برت ہندو مسلم اتحاد کے قیام کے لئے رکھا گیا۔ لیکن برت کے بعد ہندو مسلم تعلقات روز بروز زیادہ سے زیادہ بگڑتے چلے گئے۔ دوسرا برت، کہ وہ بھی سیاسی برت تھا، اور سیاسی فوائد کے حصول کی خاطر رکھا گیا تھا، مشہور یرو داجیل پونا والا برت تھا۔ جس کے ذریعہ چاہا تو یہ گیا تھا، کہ اچھوتوں اور اعلیٰ ذات کے ہندوؤں میں اچھے تعلقات قائم ہو جاویں، لیکن جتنی بدگمانی اور بے اعتمادی اس برت کے بعد اچھوتوں میں اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے متعلق پیدا ہوئی، اس سے پہلے کبھی پیدا نہ ہوئی تھی۔ اس کے بعد اچھوتوں نے اپنی مستقل اور علیحدہ سیاسی ہستی پر زور دینا شروع کر دیا۔ اس برت سے پہلے جو کچھ اچھوت لیڈر گاندھی جی کے ساتھ تھے، وہ بھی ان سے علیحدہ ہو گئے۔ آج اچھوت اقوام کے بڑے بڑے لیڈر یعنی ڈاکٹر امبیڈکار، مسٹر سری نواسن، راؤ بہادر ایم، سی، راجہ وغیرہ سب گاندھی جی کی پالیسی کے خلاف ہیں، اور ان کو اچھوتوں کا بدخواہ اور دشمن سمجھتے ہیں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ کہ وہ حقوق جن کے حصول یا ضائع ہونے پر قوموں کی سیاسی اور اقتصادی اور مجلسی زندگی کا دارومدار ہوتا ہے، وہ محض اس لئے کیوں چھوڑ دیئے جاویں، کہ گاندھی جی فاقہ کشی کے ذریعہ ان کے چھڑوانے پر مُصر ہوتے ہیں۔ یہ تو عدم تشدّد نہیں، بلکہ تشدد کی بدترین شکل ہے، اور اس اثر و رسوخ کا نہایت مکروہ استعمال ہے، جو گاندھی جی کو ہندوستان میں حاصل ہو چکا ہے۔ بنگال کا صوبہ کانگریس سے عملاً الگ

ہوچکا ہے۔ اس کی وجہ پونا پیکٹ ہی ہے، اور وہ پیکٹ گاندھی جی کے برت کا نتیجہ تھا۔

اس کے بعد ۱۹۳۴ء میں گاندھی جی نے پونا میں ایک اور تین ہفتے کا برت رکھا، اس کا مقصد ملک سے تشدد کو دور کرنا اور سچائی سے محبت اور ہندوستان کی مختلف قوموں میں اتحاد بیان کیا گیا۔ ہمارے خیال میں تو اس کا مقصد اس ضائع شدہ اثر اور رسوخ کو دوبارہ حاصل کرنا تھا، جو دوسری گول میز کانفرنس کے بعد ۱۹۳۲ء میں سول نافرمانی کی ناکامی کی وجہ سے گاندھی جی کھو چکے تھے۔ لارڈ ولنگڈن نے اس تحریک نافرمانی کو کچل کر رکھ دیا تھا، اور گاندھی جی کے پاس اور کوئی پروگرام نہ تھا۔ ان پر ہر طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ ہوئی۔ سب سے زیادہ پنڈت جواہر لال نہرو ان کے پروگرام سے بددل ہو رہے تھے۔ اس ساری مصیبت سے نجات حاصل کرنے کا ذریعہ سوائے فاقہ کشی کے اور کچھ ان کو نظر نہ آیا۔

بالکل اسی طرح تری پوری کانگریس کے موقعہ پر مسٹر بوس کے دوبارہ انتخاب سے گاندھی جی کے رسوخ کو جو دھکا لگا، اس کے ازالہ کے لئے وہ بجائے تری پوری جانے کے راجکوٹ چلے گئے۔ اور وہاں جا کر ایک مرن برت رکھ لیا۔ تاڑنے والے اسی وقت تاڑ گئے تھے، کہ یہ مسٹر بوس کو شکست دینے کی ترکیب ہے، اور راجکوٹ کی رعایا کے حقوق کا تو محض بہانہ ہے، چنانچہ جب تری پوری کانگریس کے ریزولیوشن نے مسٹر بوس کے ہاتھ باندھ دیئے، اور ان کو گاندھی جی کے آگے بے جان جسم کی طرح ڈال دیا، تو گاندھی جی نے سر مارس گوائر کو ثالث مان کر اس برت کو توڑ دیا، اور بعد میں اقرار بھی کر لیا، کہ راجکوٹ کا برت تشدد پر مبنی تھا۔

گاندھی جی کے یہ چار مشہور برت ہیں۔ ان کے نتائج ظاہر ہیں۔ ان برتوں کا روحانیت سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ بہرحال گاندھی جی کی نیت خواہ کچھ ہو۔ ان برتوں کے نتائج نہایت مایوس کن ثابت ہوئے ہیں۔ بعض اور چھوٹے چھوٹے اور نسبتاً غیر معروف برت بھی گاندھی جی نے رکھے ہیں۔ مثلاً شاہزادہ ویلز کی بمبئی میں آمد پر جو ۱۹۲۱ء کے آخر میں فساد ہوا، اس کے کفارہ کے لئے بھی گاندھی جی نے چند دنوں کا برت رکھا تھا۔ اپنے آشرم والوں کے بعض قابل

اعتراض افعال کی وجہ سے بھی انہوں نے بعض اوقات برت رکھے ہیں، جو پرائیویٹ حیثیت کے ہیں۔ ہمیں نہ ان کی تفصیل کا علم ہے اور نہ ان سے کوئی سروکار۔

آجکل بھی سُننے ہیں کہ گاندھی جی ایک برت رکھنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ ان کے اس ارادہ نے اور بھی ہمارے اس خیال کو تقویت دی ہے، کہ گاندھی جی کے برتوں کو رُوحانیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ وہ خالص سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے رکھے جاتے ہیں۔ پچھلے ۱۸ ماہ سے گاندھی جی کو کچھ سوجھتا نہیں، کہ اپنے مقصد کے حصول کے لئے وہ کیا قدم اٹھائیں۔ ان کی سیاست کا موجودہ بے اصولاپن اور بے عملی لوگوں کو آہستہ آہستہ ان سے بدظن کر رہے ہیں، اور جو نہ ٹلنے والا اعتقاد لوگوں کو ان کی "روحانی قوت" اور سیاسی عقل مندی پر تھا، وہ متزلزل ہو رہا ہے۔ اب جبکہ ان کا رسُوخ و اثر کم ہو رہا ہے، وہ اپنی پرانی عادت کے مطابق برت رکھکر اس کو بحال کرنا چاہتے ہیں۔ مختصراً یہ کہ گذشتہ ۱½ سال سے ان سے ایسی حرکات سرزد ہو رہی ہیں، اور ان کے عمل اور قول میں اتنا نمایاں تضاد ظاہر ہوا ہے، کہ ان کی ایمانداری اور دیانتداری بھی مشتبہ ہونے لگی ہے۔ اور اصول عدم تشدد کی تو ان کے اپنے ہاتھوں ایسی مٹی پلید ہوئی ہے، کہ اب اس غیر طبعی اصول پر خود ان کو کچھ اعتقاد ہو تو ہو، ورنہ ہندوستان میں بہت ہی کم ذی ہوش اور ذی عقل انسان ایسے ملیں گے، جو اس اصول کے غیر مشروط استعمال کو ایک معقول طریق کار سمجھتے ہوں۔

تری پوری کانگریس سے پہلے اور بعد جب تک مسٹر بوس کانگریس کے پریزیڈنٹ رہے، وہ گاندھی جی سے بار بار سول نافرمانی کو شروع کرنے کا مطالبہ کرتے رہے۔ گاندھی جی اس بناء پر اس مطالبہ کو ماننے سے انکار کرتے رہے، کہ جس ماحول کی سول نافرمانی کے لئے ضرورت ہے، وہ ملک میں قطعاً مفقود ہے۔ لوگوں میں ضبط، ڈسپلن اور اپنے پر قابو نہیں، تمام فضا تشدد سے مسموم ہے۔ ہندوستان کی دو بڑی قوموں یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں میں باہمی بے اعتمادی اور ایک دوسرے سے دشمنی حد تک پہونچی ہوئی ہے، لوگ کھدر کا استعمال

نہیں کرتے۔ اور کھدر کاتنے والے تو بہت ہی کم ہیں۔ غرضیکہ تمام وہ شرائط جن کا سول نافرمانی کے شروع ہونے سے پہلے پورا ہونا ضروری ہے، مفقود ہیں۔ گاندھی جی بقول خود گذشتہ ۲½ سال میں ملک کی فضا میں تشدد کو "سونگھتے" رہے ہیں۔ مسٹر بوس کو ان سے اس بارہ میں سخت اختلاف تھا۔ رام گڑھ کانگریس سے پہلے، کانگریس کے موقعہ پر اور کچھ عرصہ بعد تک بھی گاندھی جی یہی کہتے چلے گئے، کہ سول نافرمانی کے لئے ملک میں سازگار ماحول موجود نہیں۔ اور جب تک وہ ماحول پیدا نہیں ہو جاتا، وہ سول نافرمانی شروع نہیں کرسکتے۔ انہوں نے لمبے لمبے آرٹیکل اس بارہ میں لکھے۔ لیکن پنڈت جواہر لال نہرو، مولینا ابوالکلام آزاد اور سردار پٹیل لوگوں کو گورنمنٹ کے ساتھ آنے والی جنگ کے لئے تیار رہنے کی تلقین کرتے رہے۔ یہ ایمانداری اور دیانتداری کے خلاف بات تھی، کہ گاندھی جی تو علانیہ اور بار بار یہ کہتے رہے، کہ سول نافرمانی کے شروع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ملک میں اس کے لئے مناسب فضا موجود نہیں۔ وہ وائسرائے کو غیر مشروط مدد دینے کا وعدہ دیتے رہے، وہ بار بار یہ لکھتے رہے، اور اب بھی لکھتے چلے جا رہے ہیں، کہ ستیاگرہی اپنے مخالف کی پوزیشن کی کمزوری سے فائدہ نہیں اٹھاتا، وہ اپنی قربانی سے اور اپنے آپ کو دکھ میں ڈالکر اپنے حقوق حاصل کرتا ہے، اس لئے وہ گورنمنٹ کو اس کی زندگی اور موت کی کشمکش کے وقت پریشان نہیں کرنا چاہتے، لیکن ان کے لفٹیننٹ اور ان کے وفادار و جان نثار متبع لوگوں کو ایک عظیم الشان آنے والی جنگ کے لئے تیار رہنے کی تلقین کرتے رہے۔ وہ لوگوں کو یہی کہتے رہے، کہ لڑائی کا بگل بجنے کو ہے، اور عنقریب گاندھی جی جنگ کی کمان اپنے ہاتھ میں لیں گے۔ ظاہر ہے، کہ یا گاندھی جی جھوٹ بول رہے تھے، یا ان کے لفٹیننٹ پنڈت جواہر لال نہرو، پٹیل، اور مولانا ابوالکلام آزاد۔ اور بعد کے واقعات نے بتلا دیا، کہ عدم تشدد کا "اوتار" اور صداقت اور راستی کا "دیوتا" ہی ارادۃً اور جان بوجھکر لوگوں کو دھوکے میں رکھ رہا تھا۔ اور آج وہ شخص، جو کل یہ جانتے ہوئے کہ گورنمنٹ کو لڑائی میں

کسی قسم کی مادی مدد دینا عدم تشدد کے اصول کے خلاف ہے، وائسرائے کو غیر مشروط امداد کا وعدہ دے آیا تھا، خواہ اپنی ذاتی اور پرائیویٹ حیثیت میں ہی سہی۔ وہ جو یہ کہتا تھا، کہ سول نافرمانی کے لئے ملک میں مناسب فضاء موجود نہیں، وہ جو سچا ستیا گرہی ہوتے ہوئے اپنے مخالف کی کمزوری سے فائدہ نہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اور جو اس حالت میں کہ گورنمنٹ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھی، اس سے کسی قسم کا سودا کرنا اپنی شانِ مہاتمائی کے خلاف سمجھتا تھا، آج اپنے سارے اصولوں کو، اپنے سارے اقراروں اور بار بار دہرائے ہوئے اقوال کو بھول کر شرافت اور اخلاق کے سارے آئین کو بالائے طاق رکھکر گورنمنٹ کے انتہائی مصیبت کے وقت میں سول نافرمانی کے لئے تیار ہو چکا ہے۔ اور ایک بالکل غیر معقول اور غیر پسندیدہ بہانہ کی بناء پر گورنمنٹ کو پریشان کرنا چاہتا ہے۔

کوئی گاندھی جی سے پوچھے، کہ کیا اب ان کی "قوتِ شامہ" ماؤف ہو چکی ہے؟ یا اب ملک کی فضا میں وہ تشدد کی بجائے عدم تشدد سونگھنے لگ گئے ہیں؟ کیا ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد قائم ہو چکا ہے؟ کیا لوگوں میں ڈسپلن اور ضبط آگیا ہے؟ کیا وہ دیانتداری سے کھدر پہنتے ہیں؟ اور انہوں نے سوت کاتنا شروع کر دیا ہے؟ کیا وہ شرائط جن کا پورا کرنا سول نافرمانی کے شروع کرنے کے لئے ضروری تھا، پوری ہو چکی ہیں؟ کہ انہوں نے سول نافرمانی شروع کرنے کا تہیّہ کر لیا ہے۔ اور ہزاروں ستیہ گرہیوں کی فہرست تیار کر لی ہے، اور بڑے بڑے کانگریسی لیڈر گرفتار ہو چکے ہیں، اور باقی گرفتار ہونے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ کیا وہ اب اس بات کو بھول گئے ہیں، کہ انہوں نے ایک معزز اور شریف انسان یعنی وائسرائے ہند سے ایک شریف انسان کی طرح غیر مشروط مدد کا وعدہ کیا تھا۔ کیا شرفاء اپنے وعدوں کو اسی طرح پورا کیا کرتے ہیں؟ کیا سچے ستیہ گرہی ایسے ہی ہوتے ہیں، کہ جب ان کا مخالف موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہو، تو وہ اس کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیں؟ کیا اپنے مخالف کی نازک پوزیشن سے فائدہ اٹھانے کی اس سے بھی زیادہ ذلیل اور کمینہ

مثال ہو سکتی ہے، جو اس وقت وہ پیش کر رہے ہیں؟ وہ اس وقت سول نافرمانی شروع کر کے نہ صرف اپنے اصولوں کی مٹی پلید کر رہے ہیں، بلکہ سچ اور راستی کا خون بہا رہے ہیں، اور ایک نہایت کچے اور بودے بہانہ کی بناء پر وہ ایسا کر رہے ہیں۔ وہ گورنمنٹ سے مطالبہ کرتے ہیں، کہ انہیں جنگ کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کا اختیار دیا جائے۔ کیونکہ جنگ عدم تشدد کے اصول کے خلاف ہے۔ اور عدم تشدد پر کاربند رہنا کانگریس نے اپنے اصولوں اور پروگرام میں شامل کیا ہوا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو وہ سول نافرمانی کرینگے۔ کانگریس کس حد تک عدم تشدد کے اصول کو مانتی اور اس پر عمل کرنے کو تیار ہے؟ پونا کے ریزولیوشن سے ظاہر ہو گیا تھا، جب کانگریس ورکنگ کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا تھا، کہ ہندوستان اپنے سارے ذرائع سے لڑائی میں برٹش گورنمنٹ کی مدد کرے گا، بشرطیکہ ہندوستان کے مرکز میں قومی حکومت قائم کردی جاوے۔ ایسی جماعت کی طرف سے جس کی ہائی کمانڈ اپنے سارے مادی اور اخلاقی ذرائع سے گورنمنٹ کی مدد کرنے کو تیار تھی، بشرطیکہ مرکز میں قومی حکومت قائم کردی جاتی، گورنمنٹ ہند سے یہ مطالبہ کرنا کہ ان کو جنگ کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کی اجازت دی جاوے، کیونکہ یہ بات ان کے بنیادی اصولوں میں شامل ہے، اگر بددیانتی نہیں تو اور کیا ہے؟ اگر کانگریس عدم تشدد کے اصول پر ایسی ہی قربان ہوئی جاتی تھی، اور جنگ میں کسی صورت میں شامل ہونا یا گورنمنٹ کو مادی مدد دینا نادرست خیال کرتی تھی، تو پونا میں اس کی ورکنگ کمیٹی نے وہ رسوائے عالم ریزولیوشن کیوں پاس کیا تھا، اور گاندھی جی اس ریزولیوشن کے پاس ہونے پر کانگریس سے کیوں خفا ہو کر علیحدہ ہو گئے تھے؟ اور راجگوپال آچاریہ اور سردار پٹیل کی جدائی پر کیوں مرثیہ خوانی کی تھی؟
کانگریس جیسا کہ اس کے لیڈر، راجگوپال آچاری اور مولانا ابوالکلام آزاد، اب بھی کہتے ہیں، گورنمنٹ کی ہر طرح سے مدد کرنے کو تیار ہے، بشرطیکہ اس کے اس مطالبہ کو پورا کردیا جاوے، کہ مرکز میں قومی حکومت قائم ہو۔ لیکن گاندھی جی گورنمنٹ سے کانگریس کی طرف سے

Digitized by Khilafat Library

یہ مطالبہ کرتے ہیں، اور اس مطالبہ کے پورا نہ ہونے پر سول نافرمانی کرنے پر تُلے ہوئے ہیں، کہ انہیں جنگ کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کی اجازت دی جائے۔ کیونکہ جنگ عدم تشدّد کے اصول کے خلاف ہوتے ہوئے ہر جہت سے بُری چیز ہے۔ ظاہر ہے کہ کانگریس ورکنگ کمیٹی کی وہ پوزیشن نہیں، جو گاندھی جی ان کی طرف منسوب کر رہے ہیں، اور یہ دیانتداری کے خلاف بات ہے۔ سچی بات یہ ہے، کہ گاندھی جی ایک سال کے عرصہ سے کچھ ایسے بوکھلا سے گئے ہیں، کہ ان کو کچھ سوجھتا نہیں، کہ ورکنگ کمیٹی کے ان ذی اثر ممبروں کو کس طرح خاموش کرائیں، جو سول نافرمانی کرنا چاہتے ہیں گاندھی جی واقعہ میں سول نافرمانی کرنا نہیں چاہتے۔ لیکن وہ کانگریس کے بائیں پہلو (Left wing) کے ہر لمحہ زیادہ طاقت حاصل کرنے والے مطالبہ کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتے۔ اور وہ مطالبہ یہ ہے کہ گورنمنٹ کی مصیبت سے فائدہ اُٹھا کر اپنی پوزیشن کو مضبوط کیا جائے، اور اپنی طاقت کو بڑھایا جائے۔ کاش! گاندھی جی میں اتنی جرأت ہوتی، کہ وہ اپنے اصولوں کی خاطر اپنی لیڈری کو قربان کر سکتے۔ اور ورکنگ کمیٹی کے ممبروں سے صاف طور پر کہدیتے، کہ تمہارا راستہ اور ہے میرا اَور۔ تم صرف مرکز میں قومی حکومت قائم ہونے پر عدم تشدّد کے اصول کو چھوڑ کر گورنمنٹ کو ہر مادی مدد جنگ میں دینے کو تیار ہو۔ اور مَیں اس مکمل آزادی کو بھی لینا نہیں چاہتا، جو عدم تشدّد کے اصول کو قربان کر کے حاصل کی جائے۔ لیکن افسوس کہ گاندھی جی نے ایسا نہیں کیا۔ جس سے یہ بات ثابت ہو گئی، کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اَور ہیں اور دکھانیکے اَور۔

یہ عدم تشدّد اور آہنسا کے اصول محض سادہ لوح لوگوں کو دھوکا دینے یا سیاسی ہتھیاروں کے طور پر استعمال کرنے کے لئے ہیں۔ ورنہ عدم تشدّد کی نہ گاندھی جی کو پرواہ ہے، نہ آپ نے اس پر کبھی عمل کیا، اور نہ وسیع پیمانے پر اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ کاش! اگر انہوں نے گورنمنٹ سے اس کو پریشان نہ کرنے کا وعدہ کر کے اس کو پریشان کرنا ہی تھا، تو کسی معقول وجہ کی بناء پر تو کرتے۔ وہ گورنمنٹ سے کہہ سکتے تھے، کہ یا تو ہمارے ملک کو آزاد کر دو۔ ورنہ نہ صرف یہ کہ ہم سے کسی قسم کی مدد کی امید نہ رکھو، بلکہ ہماری طرف سے مخالفت کے لئے تیار ہو جاؤ۔ یہ پوزیشن کانگریس

ورکنگ کمیٹی کی تھی۔ لیکن دوسری طرح سے اس کمیٹی نے اپنی پوزیشن غیر معقول اور غیر دیانتدارانہ بنالی۔ ایک طرف وہ پونا کے ریزولیوشن کے رُو سے گورنمنٹ کو ہر قسم کی اخلاقی اور مادی مدد دینے پر بھی تیار ہو گئے، بشرطیکہ انکے ایک مطالبہ کو مان لیا جائے۔ گویا عدم تشدد کے اصول کو قربان کرنے پر تیار ہو گئے۔ اور دوسری طرف جب گاندھی جی نے کانگریس کی طرف یہ بات منسوب کی، کہ کانگریس نہ صرف جنگ میں گورنمنٹ کو کوئی مادی مدد بالواسطہ یا بلا واسطہ دینے کو تیار نہیں، بلکہ چونکہ عدم تشدد اس کا بنیادی اصول ہے، اور جنگ عدم تشدد کے خلاف ہے، اسلئے اسکو جنگ کے خلاف پروپیگنڈا کرنیکی بھی اجازت ہونی چاہیئے، تو وہ خاموش رہے۔ حالانکہ یہ انکی پوزیشن کبھی بھی نہیں ہوئی تھی۔ یہ ہے کیفیت ستّیا اور آہنسا کے "اوتار" کی، اور اسکے مخلص جان نثار، اور وفاکیش مریدوں کی۔ کہ بیس سال کی تربیت اور تعلیم کے بعد بھی یہ صداقت سے کتنے دُور ہیں۔ تشدد اور جنگ سے اتنی نفرت ظاہر کی جاتی ہے، اور حالت یہ ہے، کہ جنگ کے اصولوں، قوانین اور طریقوں سے قطعی ناواقفیت کے ہوتے ہوئے جنگ کرنیکا اتنا شوق ہے، کہ جب انگریز لوگ اپنی جبلّی شرافت سے ان کو سول نافرمانی کرنے دیتے ہیں، تو جنگ کی ساری اصطلاحات اور استعارات اور محاورات استعمال کئے جاتے ہیں۔ ایک کمانڈر انچیف مقرر کیا جاتا ہے۔ اس کی وار کونسل بنائی جاتی ہے۔ پھر میدانِ جنگ اور میدانِ جنگ میں لڑنے والے سپاہی چُنے جاتے ہیں۔ پھر جنگ کا نقشہ (war Plan) اور لڑائی کی چالیں (War strategy) سوچی جاتی ہیں۔ غرضیکہ جب گاندھی جی عدم تشدد کا ہتھیار دھارن کرکے میدانِ کارزار میں نکلتے ہیں، تو موجودہ تباہ کن جنگ بھی ان کے سامنے گرد ہو جاتی ہے۔

تفو بر تو اے چرخِ گرداں تفو۔

جب لیڈر اور پیشوا ایسے بااصول ہوں، تو مریدانِ باصفا کا کیا کہنا۔ اللہ تعالیٰ ہندوستان والوں پر اپنا رحم کرے۔

Digitized by Khilafat Library

Digitized by Khilafat Library

اسلام ہیگل کی نظر میں

[جرمنی کے مشہور و معروف مفکر ہیگل (سنہ ۱۷۷۰ء تا سنہ ۱۸۳۱ء) نے فلسفۂ تاریخ پر خطبات کا ایک سلسلہ تیار کیا تھا جو اس کے نظامِ فکریہ کے لئے ایک عام فہم دیباچے کا کام دیتا ہے۔ ہیگل کا سمجھنا دشوار اور اس کا صحیح سمجھنا دشوار تر ہے۔ مگر ان خطبات میں اس کے مابعد الطبیعات کے اصول ایک تاریخی اور سماجی ماحول میں اور مادی صورت میں روشن ہو جاتے ہیں۔ ہیگل مسئلہ وحدت الوجود کا قائل ہے۔ اور اس کی نگاہ میں نسلِ انسانی اخلاقی اور روحانی لحاظ سے اس ارتقائی شاہراہ پر گامزن نہیں ہے جس کا عین مقصود عقلِ کُل کو پالینا ہے۔ اس شاہراہ پر کئی ایک منزلیں، کئی ایک قیامگاہیں رہی ہیں۔ جن میں سے مختلف اقوامِ عالم مختلف زمانوں اور ملکوں میں گذر چکی ہیں۔ اس کے خیال میں تاریخ کے تہذیب ساز عمل کا اصل مقصود ذہنی آزادی حاصل کرنا ہے۔ اس لحاظ سے اس نے تاریخِ عالم کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ سب سے پہلے دنیائے مشرق آتی ہے۔ جس میں چین، ایران اور ہندوستان شامل ہیں۔ ان مذہبی تمدنوں میں عین حقیقت کو سمجھنے اور پالینے کے لئے انسان کو صور مادیہ کی ضرورت پڑی۔ اس کے بعد عالم یونان اور عالمِ روما آتا ہے۔ سب سے آخری لیکن سب سے اہم عالم المانوی ہے۔ اس دنیا کی سپرٹ نئی دُنیا کی سپرٹ ہے۔ اس دنیا میں انسان اصل حقیقت کی جستجو کے ہزاروں سالہ مجاہدے کو کامیاب طور پر ختم کر دینے کے قابل ہو جاتا ہے۔ پہلے دوروں میں نامکمل انسانیت خود ایک غلام ہے اس کے ہاتھ اور پاؤں پر روایتی عقائد، سماجی بندھنوں کی بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں۔ سماجی زندگی کا منتہائے اعلیٰ انہی بندھنوں سے رہائی پانا ہے اور ذہنی آزادی کے معراج کو حاصل کر لینا ہے۔ انسانیت کا اصل مقصد اپنی حقیقت کو پالینا ہے اس دور میں رُوح کی مکمل نشو و نما ممکنات میں سے نظر آتی ہے۔ روحِ انسانی جس کی فطرت

ہی آزاد واقع ہوئی ہے، اور خارجی اور داخلی لحاظ سے اپنے قید و بند کی کڑیوں کو ایک ایک کرکے توڑ ڈالتی ہے۔ خارجی آزادی سے یہ مراد ہے کہ انسان ایسے خارجی قوانین اور اصولوں کا پابند ہو جن کو وہ دل سے خود بھی تسلیم کرتا ہو، اور داخلی آزادی سے مراد نفسانی خواہشات اور بہیمانہ جذبات سے مبرا ہو جانا ہے۔
اس سلسلے میں ایک دلچسپ بات یہ ہے، کہ ہیگل نے باوجود اپنی عیسائی تربیت اور مذہبی اثر کے اسلام کی ان شاندار خدمات کا اعتراف کیا ہے جو نظامِ اسلامی نے نسلِ انسانی کو ان ارتقائی مدارج کے طے کرنے کے سلسلے میں کی ہیں۔ عالم المانوی پر لکھتے ہوئے وہ اپنی بحث کا آغاز ان ٹیوٹن نسل کے گروہوں اور جرمنی کے وحشی قبائل سے کرتا ہے جنہوں نے پہلے پہل عیسائیت کو قبول کیا۔ یہ روح انسانی کیلئے ایک لازمی قسم کا تطہیری دور تھا۔ اس دور میں روح عین جو کل کائنات میں جاری و ساری ہے دماغی صورت میں تکمیل پا رہی تھی۔ انسان ابھی اس قابل نہ ہوا تھا، کہ اصل حقیقت کو اس کی تجریدی حالت میں بغیر کسی تشبیہ اور استعارے کے، بغیر کسی بت اور اصنام کے معلوم کر لے۔ لیکن اسی زمانے کے قریب دنیائے مشرق میں اخلاقی اور سماجی لحاظ سے ایک نیا انقلاب آجاتا ہے۔ یہ انقلاب ہے طلوعِ اسلام۔ اس انقلاب کی رَو میں بہہ کر انسانی دنیا قرنوں اور صدیوں کی ارتقائی منزلیں سالوں اور مہینوں میں طے کر لیتی ہے۔ عقل کے باد پا قاصد منطق کی بھول بھلیوں میں رہ جاتے ہیں۔ اور عشق کی مشعل سے اس کے خرمنِ عقل پر ایک چنگاری پڑتی ہے جس سے کہ اصل حقیقت جگمگا اٹھتی ہے۔ حقیقت پا لینے کا یہ عمل ایک بجلی کی طرح انسانی ذہن پر چمک جاتا ہے، اور اس حقیر بے مایہ ہستی کو جو ہزاروں سال تک عین حقیقت پا لینے کے لئے کبھی پتھروں کی محتاج رہی، کبھی فطرت کے منظروں کی، اسے اس قابل بنا دیتا ہے، کہ وہ عین ذات پر تجریدی صورت میں نگاہ بھر کے دیکھ لے۔ ہیگل کے خیال میں انسانی رُوح کا کمال یہی ہے۔ اس مذہبی اور سماجی عمل کی کیفیت جس کی امداد سے یہ معجزہ رُونما ہوا۔ ہیگل کے الفاظ میں سُنیئے]

ایک طرف یورپ اپنی تعمیر نو کر رہا تھا، قومیں اپنی بیخ و بن استوار کر رہی تھیں، تاکہ آزاد حقائق کی ایک ایسی دُنیا پیدا کریں جس کی وسعتیں اور جس کی ترقی ہر طرف ظہور پذیر ہو۔ ہم نے دیکھا

کہ انہوں نے اپنے کام کی ابتدا اس طرح کی، کہ تمام سماجی تعلقات کو تخصیص[1] کا رنگ دیدیا۔ اور تخصیص بھی اس طور پر کہ اپنے کُند اور تنگ ذہنوں سے ان باتوں کو جو فطرتاً عام اور حسب معمول ہیں اس طرح خُرد برد کر ڈالا کہ وہ قدرتی کلیتے محض اتفاقی اور ناگہانی امور کا مجموعہ ہو کر رہ گئے، جن کو ایک سادہ سے اصول اور سادہ قانون کی شکل میں ہونا چاہیئے تھا، رسوم کا ایک پیچیدہ اور الجھا ہُوا جال بنا کر رکھدیا۔ مختصراً یہ کہ جب مغرب اپنے کو اتفاق پیچیدگی اور تخصیص کی سیاسی عمارتوں میں پناہ گزیں کر رہا تھا، رُوحانی تجلی کا تناسب قائم رہنے کے باعث دُنیا میں دوسری جگہ اس کے بالکل متضاد اصولوں کا ظہور ہونے لگا۔ یہ چیز مشرق میں انقلابی شان سے ظاہر ہوئی، جس نے تمام تخصیص اور انحصار کے خرخشوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ اور طبع اور رُوح کا تنقیہ کر کے انہیں تمامتر پاک وصاف کر دیا۔ محض مجرد ذاتِ وحدہٗ کو اپنی توجہ و عبادت کا مرکز بنایا، اور اسی قدر خالص داخلی عرفان ـــــ یعنی اسی مجرّد ذات وحدہٗ کے عرفان ـــــ کو حقیقت کا واحد مقصد گردانا یعنی اس ذات غیر مشروط کو شرطِ حیات قرار دیا۔

ہم مشرقی اصولوں کی ماہیت سے آگاہ ہو چکے ہیں[2] اور دیکھ چکے ہیں کہ وہاں کی ذات اعلیٰ محض منفی حیثیت رکھتی ہے۔ یعنی اس کے نزدیک مثبتی حیثیت رکھنا محض مایا میں اپنے آپ کو مبتلا کر دینا ہے، اور روح کو مادی حقیقتوں کا غلام بنا دینا ہے۔ صرف یہودیوں میں ہم نے دیکھا تھا کہ مجرد وحدانیت کا اصول ان کے یہاں تفکر کی بلندیوں پر لے جایا گیا تھا۔ کیونکہ صرف وہی لوگ ذات وحدہٗ کا اعتقاد رکھتے تھے، اور ان کا ذاتِ وحدہٗ کا نظریہ تخیّل کی صورت میں تھا۔ یہ وحدانیت کا تصوّر اس وقت بھی قائم رہا، جبکہ روحانی پاکیزگی کے لئے مجرد روح کے تصوّر کا مسئلہ طے سمجھ لیا گیا لیکن اس کو ابھی اس تخصیص سے آزاد ہونا تھا، جو یہوواہ کی پرستش میں سدِّراہ ہوتی تھی۔ یہوواہ صرف اسی قوم کا خدا تھا[3]۔ ابراہیم کا، اسحاق کا، یعقوب کا، صرف یہودیوں

۱: Particularity ۔ ۲: یہاں ہندوؤں سے مطلب ہے۔

۳: یہودیوں کا اللہ۔

Digitized by Khilafat Library

سے گویا اس خدا نے سمجھوتہ کر لیا تھا۔ اس تعلقات کی تخصیص کو اسلام نے فنا کر دیا۔ روح کی اس عالمگیری میں تصوّر کی اس محدود و غیر معیّن سادگی اور پاکیزگی میں فرد انسانی کے لئے کسی اور مقصد کی ضرورت نہیں سوائے اس کے کہ وہ اس عالمگیری سادگی کو حاصل کرے۔ اللہ یہودیوں کے خدا کی طرح ایجابی اور محدود مقصد نہیں رکھتا۔ اسلام کا مقصد اور واحد مقصد محض ایک ذات وحدہٗ کی پرستش ہے۔ آدمی کی داخلیت (روح) کے لئے صرف یہی ایک کام ہے کہ وہ اسی ذات وحدہٗ کی پرستش میں منہمک ہو جائے۔ اور تمام خارجی موجودات کو اسی ذات وحدہٗ کا مطیع بنائے۔ یہ ذات وحدہٗ در اصل روح کی خصوصیت رکھتی ہے لیکن چونکہ انسان کی داخلیت (روح) خارجی اشیاء میں ملوث ہو جاتی ہے۔ یہ ذاتِ وحدہٗ اس لوث سے منزّہ رہتی ہے۔ اس طرح سے داخلیت ایک طرف تو بالکل روحانی طور پر آزاد نہیں ہو پاتی، دوسری طرف اسکی عبادت کا مرکز مادی بھی نہیں ہونے پاتا۔ لیکن اسلام ہندوانہ نہیں ہے نہ راہبانہ طور پر واجب الوجود میں گم ہو جاتا۔ یہاں داخلیت زندہ اور غیر محدود ہے۔ یعنی یہاں داخلیت وہ قوت ہوتی ہے، جو دنیاوی زندگی میں محض منفی مقاصد کے ساتھ داخل ہوتی ہے۔ اور دنیاوی معاملات میں اپنے کو محض اس طرح سے مشغول کرتی ہے۔ اور ان میں اس طرح مداخلت کرتی ہے جس سے ذاتِ وحدہٗ کی خالص تحریم و تکریم میں ترقی ہو۔ اسلامی عبادت کا مرکز تمام تر عقلی ہوتا ہے۔ کوئی بُت یا خدا کی کسی قسم کی صورت و شکل نہیں پیش کی جاتی۔ محمدؐ پیغمبر مانے جاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی انسان یعنی انسانی کمزوریوں سے بالا نہیں۔ اسلام کے خصائص میں یہ بات جاری و ساری ہے کہ عالم موجودات میں کوئی چیز مقرر اور مستحکم نہیں ہو سکتی۔ ہر چیز کی قسمت میں ہے کہ اپنے کو حرکت دے۔ زندہ رہنے اور دُنیا کی بے انتہاء وسعتوں میں اتنی پھیل جائے کہ وہ تمام کُل سوائے اس ذاتِ وحدہٗ کے علاقہ کے کسی اور صورت سے ایک نہ کہی جا سکے۔ یہ متحرک قوت اپنی وسعت میں قوم اور ذات کے تمام امتیازات کو نہس نہس کر دیتی ہے۔ نسلی، سیاسی موروثی یا مُلکی کسی قسم کے حقوق تسلیم نہیں کئے جاتے۔ صرف انسان رہ جاتا ہے۔ اور وہ بھی مومن

انسان، ذاتِ وحدہٗ کی عبادت و تعظیم کرنا، اسی میں ایمان رکھنا، روزے رکھنا زناکہ خصوصیت کا جذبہ اور دنیادی علائق کی وجہ سے ذاتِ نامحدود سے علیحدگی کا جو احساس ہوجاتا ہے وہ دور ہوجائے) زکوٰۃ دینا یعنی مخصوص ذاتی ملکیت کے احساس سے نجات پانا، یہ اسلام کے احکام کا نچوڑ ہیں، اور ان سب میں ارفع حکم مذہب کی خاطر شہید ہوجانا ہے۔ اسلام میں وہ شخص جو میدانِ جنگ میں ایمان کی خاطر شہید ہو جنّت اس کے لئے یقینی ہے۔

مذہب اسلام عربوں میں شروع ہوا۔ ان کے وہاں رُوح اپنی سادہ ترین صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے اور ذاتِ بے صورت کا احساس وہاں اپنی خاص منزل رکھتا ہے کیونکہ ان کے ریگستانوں میں کوئی چیز مستحکم اور مضبوط صورت و شکل میں نہیں لائی جاسکتی۔ مسلمانوں کا سنہ محمدؐ کی ہجرت سے ۶۲۲ء سے شروع ہوتا ہے۔ خود آپ کی زندگی میں آپ کے زیرِ قیادت لیکن آپ کے بعد خاصکر آپؐ کے خلفاء کی سیادت میں عربوں نے عظیم الشان فتوحات حاصل کیں۔ پہلے انہوں نے شام پر حملہ کیا اور اس کے دارالسلطنت دمشق کو ۶۳۴ء میں فتح کر لیا۔ اس کے بعد فرات و دجلہ کو عبور کر کے اہلِ فارس سے نبرد آزما ہوئے۔ اور بہت جلد تمام فارس کو زیر کر لیا۔ مغرب میں انہوں نے مصر، شمالی افریقہ اور اسپین فتح کیا اور جنوبی فرانس میں بھی لوائر تک بڑھتے چلے گئے۔ جہاں طورس کے مقام پر چارلس مارٹل انہیں روک سکا۔ مغرب میں تو یہاں تک پھیلے۔ مشرق میں انہوں نے یکے بعد دیگرے فارس، سمرقند اور ایشیائے کوچک کے جنوب مغربی حصّے کو فتح کر لیا اور یہ تمام فتوحات اور ساتھ ہی ان کے مذہب کی تبلیغ غیر معمولی تیزی کے ساتھ ہوئی۔ جو کوئی اسلام لے آتا تھا وہ تمام مسلمانوں کے بالکل برابر ہوجاتا، جو اس سے انکار کرتے وہ شروع میں قتل کر دیئے جاتے تھے لیکن رفتہ رفتہ اہلِ عرب مفتوحین سے رحمدلی کا برتاؤ کرنے لگے۔ اب اگر مفتوحین اسلام قبول کرنے میں معذرت کرتے تو ان سے صرف سالانہ جزیہ (ایک قسم کا ٹیکس) لیا جاتا اور وہ شہر جو جلد اطاعت قبول کر لیتے ان سے ان کی ملکیت کا صرف ۱/۱۰ لیا جاتا۔ اور جو نبرد آزمائی کے بعد مفتوح ہوتے، اُن سے ۱/۵۔

Digitized by Khilafat Library

مسلمانوں کے دماغ میں تجرید جاری وساری ہوگئی تھی۔ ان کا مقصد یہی تھا کہ ایک مجرد عبادت جاری کر دیں۔ اور وہ اس مقصد کو پورا کرنے میں بہت جوش وخروش سے مصروف ہو گئے۔ اس جوش وخروش کو ہم تعصب یعنی کسی مجرد چیز کے لئے شدت کہہ سکتے ہیں۔ ایسے مجرد خیال کیلئے جو موجودات کے نظام کے حق میں باطل شکن حیثیت رکھتا ہے۔ تعصب کی روح یہی ہے، کہ مادی اشیا کے حق میں تباہ کن و برباد کن حیثیت رکھے۔ لیکن اسلام کا تعصب اس کے ساتھ ساتھ نہایت ارفع واعلیٰ منزلوں پر بھی پہونچا دینے والا تھا۔ ایسی رفعت وبلندی تک جو معمولی اغراض سے بلند ہوتی اور فیاضی اور بہادری کے ضمن میں جتنی خوبیاں آتی ہیں، ان سب کی حامل ہوتی۔ لیکن اصل زندگی تاہم مادی ہوتی ہے، اور خاص مقاصد کا پابند بنا دیتی ہے۔ فتوحات حکومت و دولت کرتی ہیں موروثی خاندانوں کو شاہی سپرد کراتی ہیں، اور افراد کو متحد کرا دیتی ہیں۔ لیکن یہ تمام طاقت کی عمارتیں ریت پر اپنی بیخ وبن رکھتی ہیں۔ یہ آج ہیں کل نہیں۔ ایک مسلمان چاہے جتنا شوق ودلچسپی اس سماجی تار و پود میں کیوں نہ ظاہر کرے، دراصل اس کا دل ان چیزوں سے بے نیاز ہوتا ہے، وہ محض اپنی قسمت کے جھکڑ میں دوڑتا رہتا ہے۔ اسلام نے اپنی وسعت کے زمانہ میں بہت سی سلطنتوں اور حکومتوں کی بنیادیں ڈالیں۔ اس بیکراں سمندر پر ہمیشہ موجیں آگے بڑھتی رہتی ہیں مستقل قیام کسی کو نہیں۔ جو کچھ چکر کھا کر ایک صورت شکل اختیار کر لیتا ہے، اپنی چمک دکھلاتا ہے دوسرے ہی لمحہ وہ غائب ہو جاتا ہے۔ ان حکومتوں میں بنیادی مضبوطی نہ تھی۔ حکومتیں اسی لئے ختم ہوگئیں اور وہ افراد جن سے وہ بنی تھیں گذر گئے۔ جہاں کہیں ایک پاک روح اپنا امتیاز ظاہر کرتی ہے، بحر مواج میں ایک بڑی اُونچی لہر کی طرح ــــ وہ آزادی کی شان وشوکت کے ساتھ اپنی تجلی دکھاتی ہے۔ اس طرح کہ اس سے بڑھکر اچھی، اس سے بڑھکر وسیع القلب اس سے بڑھکر جری، اس سے بڑھکر مستعد کبھی دیکھی نہیں جاتی۔ جس کسی خاص مقصد کا ارادہ وہ فرد کر لیتا ہے، اس کو تمامتر اور کلیتہً اپنی روح کی تمام قوتوں سے وابستہ کر لیتا ہے۔ فرنگی تو تعلقات اور اشکال کے بے شمار بندھنوں میں پھنسے رہتے ہیں۔ گویا کہ ہر فرد ان تعلقات واشکال

کا ایک بار ہوتا ہے۔ لیکن اسلام میں فرد صرف ایک جذبہ اور اسی جذبہ کا حامل ہوتا ہے۔ اگر ظلم کرے گا تو بے انتہا ظلم، بہادر ہوگا تو بے انتہا بہادر، چالاک ہوگا، تو چالاکی کا مجسمہ اور فیاض ہوگا تو فیاضی کا سرچشمہ، جہاں کہیں محبت ہوگی وہاں بیخودی اور سرفروشانہ جذبہ کے ساتھ (جو محبت کی شدید ترین صورت ہوتی ہے) اگر کوئی بادشاہ اپنے غلام سے محبت کرتا ہے تو وہ اپنے محبوب کے قدموں پر اپنی تمام شان، اپنی تمام شوکت اور طاقت تاج وتخت سے بالکل بے پرواہ ہوکر نچھاور کردیگا۔ لیکن اگر اس سے نفرت ہوگئی تو اس کو تباہ بھی اسی شدت سے کرے گا۔ یہ بے پناہ شدت عربوں اور شرقیین کی گرم دہکتی ہوئی شاعری میں بھی پائی جاتی ہے، ان کی شاعری میں یہ گرمی اور روشنی دراصل تخیل کی بیباکانہ آزادی کی باعث ہوتی ہے، یہ تخیل اپنے مطلوب کی زندگی میں مدغم ہوجاتی ہے اور پھر اس سے اصلی جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خودی اور خودداری کو کلیۃً فنا کردیا گیا ہے۔

جس تیزی سے عربوں کی فتوحات ہوئیں، اسی تیزی سے علوم وفنون بھی اپنے معراج کمال پر پہونچ گئے۔ پہلے تو ہم ان فاتحین کو علوم وفنون کی قسم کی ہر چیز تباہ وبرباد کرتے ہوئے پاتے ہیں۔ عمرؓ کے متعلق کہا جاتا ہے، کہ انھوں نے اسکندریہ کی بڑی لائبریری تباہ کرادی[1] یہ کہکر کہ ان کتابوں میں، تو وہی تمام باتیں ہیں جو قرآن میں ہیں یا اس کے علاوہ باتیں ہونگی، دونوں صورتوں میں یہ بربادی کی مستحق ہیں، لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد عربوں نے ہر جگہ علوم وفنون کو شد ومد سے ترقی دینی شروع کی، اور جہاں کہیں گئے انھیں لے گئے، ان کی حکومتیں خلیفہ منصور اور خلیفہ ہارون رشید کے زمانے میں اپنی معراج پر تھیں۔ سلطنت میں جگہ جگہ بڑے بڑے شہر پیدا ہو رہے تھے، جہاں تجارت صنعت وحرفت ترقی کررہی تھی، شاندار محلات اور مدرسے بنوائے گئے۔ تمام اقلیم کے ارباب علم خلیفہ کے دربار میں مجتمع تھے۔ ایسا دربار جو صرف ظاہری شان وشوکت، انمول جواہرات، اعلیٰ فرنیچر اور عالیشان محلوں سے مزین نہ تھا، بلکہ شاعری اور علم کے چراغاں سے بھی روشن تھا۔ شروع کے خلفاء نے تو ریگستان کے عربوں کی شہرۂ آفاق سادگی تمام وکمال قائم رکھی (خلیفہ ابوبکرؓ اس معاملہ میں خاص مشہور ہیں،

[1] عیسائی مورخوں کا یہ بہتان اب غلط ثابت کردیا گیا ہے۔ مترجم۔

جن کے آگے منصب، جاہ و ثروت کسی قسم کا امتیاز بیکار تھا معمولی سے معمولی مسلمان، غریب سے غریب بے وقعت بڑھیا بھی خلیفہ سے برابر سے بات چیت کر سکتی تھی، بے تکلف سادگی کو کسی تہذیب کی ضرورت نہیں ہوتی، ہر مسلمان اپنی روح کو آزاد سمجھنے کے باعث اپنے حکمران سے بھی برابری کے تعلقات رکھتا ہے۔

خلفاء کی سلطنت زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی کیونکہ جس کی بنا عالمگیر ہو اس میں کوئی چیز استقامت پذیر نہیں ہوتی۔ عرب کی عظیم الشان سلطنت تقریباً اسی زمانہ میں ختم ہوگئی۔ جس زمانہ میں جرمنک والوں کی سلطنت فرانس میں ختم ہوئی تھی۔ غلاموں نے اور سلجوق و منگول کے حملوں نے تاخت و تاراج کر دیا۔ نئی حکومتیں پنپیں اور نئی سلطنتوں کی بنیادیں ڈالی گئیں۔ عثمانی نسل نے آخرکار ایک مضبوط سلطنت کی بنیاد ڈالی، اور جاں نثاروں نے ایک مضبوط مرکز بنا لیا۔ تعصب و شدت اب سرد ہو چکی تھی افراد کی روحوں میں اخلاقی اصول باقی نہ رہا تھا۔ مسلمانوں سے صلیبی جنگوں کی وجہ سے فرنگیوں کی بہادری و شجاعت اونچی منزلوں پر پہونچ گئی۔ علوم و فنون خصوصاً فلسفہ مغرب میں عربوں ہی سے آیا۔ بلند مرتبہ شاعری اور آزاد تخیل جرمنوں نے مشرق ہی سے لیا۔ یہ ایسے واقعات ہیں جنہوں نے گوئٹے کی توجہ مشرق کی طرف پھیری۔ اور اس نے اپنے دیوان کو عشقیہ شاعری کے موتیوں کا ہار بنا دیا۔ اس میں جو گرمی اور تصور کی آرائش ہے، اس کا جواب نہیں ہو سکتا۔ لیکن مشرق میں جب رفتہ رفتہ جوش فرو ہو گیا تو وہ خراب سے خراب برائیوں میں پڑ گیا۔ نہایت کریہہ جذبات اس پر مستولی ہو گئے اور اسلام نے جو اسی عشرت کے ابتدائی مدارج تک کی جو اجازت دی تھی، اور جسے مومن کے لئے جنت کے انعام کی صورت میں ظاہر کیا گیا تھا، اب اس میں شدت بڑھ گئی۔ آجکل عیسائی طاقتوں کے حسد کی وجہ سے اسلام محض ایشیا اور افریقہ کے گوشوں میں پسپا کر دیا گیا ہے اور یورپ میں اسے محض ایک گوشہ میں رہنے کی اجازت ہے۔ اسلام اس طرح تاریخ کے صفحات سے عرصہ سے محو ہو چکا ہے، اور اب مشرق کی آسودگی اور عیش میں خوابیدہ ہے۔ (جامعہ)

Digitized by Khilafat Library

Digitized by Khilafat Library

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا علمی اعجاز

(از جناب چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے)

کسی شخص کے اپنے دعویٰ میں سچا ہونے کی دلیل اس بات میں ہوتی ہے، کہ آیا وہ شخص اپنے دعویٰ کی اصل غرض وغایت کو پورا کر رہا ہے یا نہیں۔ طبیب کے ہاتھ سے بیماروں کو صحت ہوتی ہے، اور یہ اس کے طبیب ہونے کی دلیل ہے۔ زمیندار غلّہ وغیرہ اور انسانی خوراک کے مہیا کرنے جیسے اہم فرض کو پورا کرتا ہے، اور یہ اس کے اعلیٰ زمیندار ہونے کی دلیل ہے۔

اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے کام کا سب سے ضروری حصّہ جس پر ان کے دعویٰ کی صداقت کا انحصار ہے، وہ تعلیم اور قوت تزکیہ وتطہیر اور انسانی مردہ قوتوں کا بذریعہ ایمان دوبارہ احیاء ہے۔ اور قرآن شریف نے تحدّی اور حصر کے ساتھ اس نشان اور دلیل کو پیش کیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ۔ یعنی اگر تمہیں محمد صلعم کے نبی برحق اور مامور من اللہ ہونے پر شُبہ ہے، تو قرآن شریف جیسی ایک سُورۃ بنا کرے آؤ، اور اپنے مددگاروں کو اپنی مدد کے لئے بلالو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا، اور ہم ابھی سے تحدّی کر دیتے ہیں، کہ تم ایسا نہیں کرسکوگے، تو اس صورت میں تم کو انکار وکفر سے بچنا چاہیئے، جس کا نتیجہ جہنّم کی آگ ہے۔

یہ اسلام اور صداقت محمّدیہ کا زندہ اور دائمی معجزہ ہے، جس کا کفار اب تک کوئی جواب نہیں دے سکے، اور نہ آئندہ کوئی جواب دے سکتے ہیں۔

نبوت کی اصل غرض وغایت نبی کی تعلیم کی خوبی اور اس کی حکمت اور اس کی قوتِ تزکیہ میں مضمر ہے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ یعنی (۱) تلاوت آیاتِ الٰہیہ (۲) تزکیہ وترقی نفوس انسانیہ (۳) قانونِ شریعت کی تعلیم وقیام اور احکاماتِ الٰہیہ کی حکمت کا بیان، یہی وہ اُمور ہیں جو انبیاء کی صداقت کا معیار قائم کئے جا سکتے ہیں۔ انبیاء کا سب سے بڑا معجزہ یہی ہوتا ہے، کہ فساد اصلاح سے بدل جاتا ہے، موت اور نیند کی جگہ حیاتِ جاوداں اپنا جلوہ دکھاتی ہے۔ اور اندھیری راتیں روزِ روشن سے بدل جاتی ہیں۔ اور انسانی دماغ کی قیاس آرائیوں کی جگہ اللہ تعالیٰ کا کلام انسان کے لئے مشعلِ راہ بن جاتا ہے، اور یہی انبیاء علیہم السّلام کا اعجاز ہوتا ہے، جس کا مقابلہ انسانی جماعتوں میں سے اور کوئی جماعت نہیں کر سکتی، اس لئے اس عجز کی وجہ سے یہ معجزہ کہلاتا ہے۔

Digitized by Khilafat Library

منکرانِ قرآن اس بات سے انکار کریں، تو کریں، جو لوگ مسلمان ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں، وہ اس بات سے انکار نہیں کر سکتے، کہ قرآن شریف نے متعدد بار تحدّی کے ساتھ اس بات کو پیش کیا ہے، کہ قرآن شریف کی بے مثل تعلیم اس کتاب کے منزّل من اللہ ہونے کی زبردست دلیل ہے۔ اور اس کے لئے تمام دُنیا کو چیلنج کیا گیا ہے، کہ اس کی مثل لاؤ، اور اگر فرداً فرداً نہیں، تو مل کر اور ایک دوسرے کی مدد لیکر ہی ایسا کر دکھاؤ، اور پھر اس چیلنج کے بعد خود فیصلہ کر دیا ہے، کہ تم ایسا ہرگز ہرگز نہیں کر سکتے۔ اور اس لئے تم پر حجّت پوری ہو چکی ہے، باوجود اس کے انکار کرو گے، تو سزا دی جائے گی۔ ٹھیک اسی معیار پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت قطعی اور حقیقی طور پر ثابت ہوتی ہے، اور آئندہ آنیوالا زمانہ بمرّات وکرّات آپؑ کی صداقت پر اسی رنگ میں مہر کرتا رہیگا، جس رنگ میں کہ مرورِ زمانہ صداقتِ محمّدیہ پر مہر کرتا چلا آیا ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز تنزیل میں تھا۔ اور حضرت احمد علیہ السلام کا اعجاز تفسیر اور

بیانِ حکمت میں ہے۔ تنزیل وحی الٰہی سے ہوئی تھی، اور تفسیر و بیان بھی وحی الٰہی سے ہوئی ہے۔ اور حضرت احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وحی میں بار بار اس بات کا ذکر ہے، کہ قرآن شریف کا علم اور اسکی تفسیر آپؑ کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے سکھائی گئی ہے۔ کیونکہ قرآن شریف کتاب مکنون ہے، اور سوائے ان لوگوں کے جو اللہ تعالےٰ کے ہاتھ سے صاف اور پاک کئے جائیں، اور کوئی شخص اس کتاب کو مَس بھی نہیں کر سکتا۔ ذیل میں ہم حضرت اقدس کی تفسیر القرآن کے بارے میں تحدّی کے چند نمونے پیش کرتے ہیں:۔

۱۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ابتدائی وحی میں ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ..... قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۔ كُلُّ بَرَكَةٍ مِّنْ مُّحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَبَارَكَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ ۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۔ یعنے اے احمد اللہ تعالےٰ نے تجھے قرآن شریف سکھایا ہے (یعنی اعجازی رنگ میں) تاکہ تو ان لوگوں کو ڈراوے، جن کے آباؤ اجداد ڈرائے نہیں گئے، اور تاکہ مجرموں کی راہ اور غلطی واضح ہو جاوے۔ کہہ دے حق آیا اور باطل بھاگ گیا، اور باطل بھاگنے والا تھا۔ ہر ایک برکت محمد صلعم کی طرف سے ہے۔ پس مبارک ہے وہ جس نے تعلیم دی اور جس نے تعلیم پائی۔ خدا وہ ہے، جس نے اپنا رسول ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا، تا وہ اُسے تمام دینوں پر غالب کر دے۔ اور فرمایا، سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔ یعنی سب مخالف مل کر مقابلہ کے لئے آئیں گے، لیکن سب پیٹھ پھیر جائینگے۔

۲۔ اعجاز المسیح صفحہ ۷۵ میں فرماتے ہیں:۔

اِنَّ رَسَالَتِيْ هٰذِهٖ اٰيَةٌ　　تحقیق میرا یہ رسالہ رب العالمین خدا کے
مِّنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ　　نشانوں میں سے ایک نشان ہے اور ہدایت

وتبصرة لقوم طالبين۔ و إنها من ربي حجة قاطعة وبرهان مبين ..... ومن كان يظن أنه فصيح وعنده كلام كأنه بدر تام۔ فليأت بمثله والصمت عليه حرام۔ وإن اجتمع آباؤهم وأبناؤهم وأكفاؤهم وعلماؤهم وحكماؤهم وفقهاؤهم على أن يأتوا بمثل هذا التفسير في هذه المدى القليل الحقير لا يأتون بمثله ولو كان بعضهم لبعض كالظهير۔ فإني دعوت لذالك وإن دعائي مستجاب فلن يقدر على جوابه كتاب لا شيوخ ولا شاب۔[1]

طلب کرنے والی قوم کے لئے تبصرہ ہے، اور یہ میرے ربّ کی طرف سے حجّتِ قاطعہ اور کھلا کھلا برہان ہے، اور جو شخص خیال کرے، کہ وہ بڑا فصیح ہے، اور اس کے پاس ایسا کلام ہے، جو چودھویں کا چاند ہے، تو اس کو چاہیئے کہ اِس جیسا کلام بنا کر لائے، اور اس پر چپ رہنا حرام ہے۔ اور اگر جمع ہو جائیں ان کے باپ اور انکے بیٹے اور انکے تمام ہمعصر اور ان کے علماء اور انکے حکماء اور انکے فقہاء اس بات پر کہ وہ اس جیسی تفسیر بنا سکیں اسقدر قلیل اور حقیر مدت میں، تو ایسا کلام نہیں بنا سکیں گے۔ اگرچہ انکے بعض بعض کے مددگار بھی بنجائیں۔ کیونکہ مَیں نے اس کے لئے دُعا کی ہے اور میری دعا قبول کر لی گئی ہے۔ پس کوئی لکھنے والا اس کے جواب پر قادر نہیں ہوسکیگا، نہ کوئی بوڑھا اور نہ کوئی جوان۔

٣۔ فإنه كتاب ليس له جواب۔ ومن قام للجواب وتنمر

پس تحقیق یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کا کوئی جواب نہیں۔ اور جو جواب کے لئے کھڑا ہوگا،

[1] یاد رہے کہ ایسا اعلان اور تحدّی قرآن مجید کا مقابلہ نہیں، کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں: كلما قلت من كمال بلاغتي فهو بعد كتاب الله القرآن۔ یعنی جو کچھ میں نے اپنے کمالِ بلاغت کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ اللہ کی کتاب قرآن مجید کے سوا کیا ہے۔

فَسَوْفَ يُرٰى اَنَّهٗ تَنَدَّمَ وَتَذَمَّرَ — اور تیاری کی۔ پس عنقریب اسے دکھایا جائیگا کہ وہ
(ٹائٹل پیج اعجاز المسیح) — شرمندہ ہوگا اور تباہ ہوجائے گا۔

۴۔ لَقَدْ اُعْطِيْتُ اَسْرَارَ السَّرَائِرِ — مجھے پنہاں در پنہاں اسرار عطا کئے گئے ہیں۔
فَسَلْ اِنْ شِئْتَ مِنْ نَوْعِ السُّوَالِ — پس تو جس طرح کا سوال کرنا چاہتا ہے کرلے۔
وَكَمْ سِرٍّ اَرَانِيْ نُوْرُ رَبِّيْ — اور کئی اسرار ہیں جو میرے رب نے مجھے دکھائے
وَاٰيَاتٍ عَلٰى صِدْقِ الْمَقَالِ — اور کئی نشانات ہیں جو میرے دعویٰ کی سچائی پر
وَعِلْمٍ يَبْهَرَنَّ عُقُوْلَ نَاسٍ — مجھے دیئے گئے اور کئی ایک ایسے علم ہیں جو لوگوں
وَرَاءٍ قَدْ عَلَا قُنَنَ الْجِبَالِ — کی عقلوں کو حیران کر دیتے ہیں، اور کئی ایسی آراء
ہیں جو پہاڑوں کی چوٹیوں سے بھی بلند ہوگئی ہیں:

Digitized by Khilafat Library

۵۔ "میں قرآن مجید کے معجزہ کے ظل پر فصاحت و بلاغت کا نشان دیا گیا ہوں، کوئی نہیں جو میرا مقابلہ کرسکے" (ضرورت الامام ص۲۳)

۶۔ اِنِّيْ كَتَبْتُ الْكُتُبَ مِثْلَ خَوَارِقٍ — میں نے کتابیں مثل خوارق کے لکھ دی ہیں
اُنْظُرْ اَعِنْدَكَ مَا يَصُوْبُ كَمَائِيْ — دیکھ کیا تیرے پاس بھی کچھ ہے جو میرے پانی کیطرح لاوے
اِنْ كُنْتَ تَقْدِرُ يَا خَصِيْمِ كَقُدْرَتِيْ — او خصومت کنندہ اگر تجھ میں میری طرح طاقت ہے
فَاكْتُبْ كَمِثْلِيْ قَاعِدًا بِحِذَائِيْ — تو میرے مقابلہ پر بیٹھ کر لکھ۔

پھر حضور مہدی علیہ السلام نے بالتفصیل اور بار بار بیان کیا، کہ مجھے تین معجزے دیئے گئے ہیں (۱) عدیم المثال اظہار علی الغیب (۲) قرآن شریف اور تعلیم القرآن کا عدیم المثال علم۔ (۳) عربی زبان کا غیر معمولی علم۔ ان امور میں آپؑ نے لوگوں کو مقابلہ کے لئے بُلایا، اور جو لوگ مقابلہ پر آتے رہے، وہ خائب و خاسر ہوکر پسپا ہوئے۔ یا ہلاک ہوگئے، اور حضور کو اللہ تعالےٰ نے سلطان القلم کا خطاب دیکر وعدہ فرمایا۔ کہ آپ کے مقابلہ کرنے والوں کی قلموں کو توڑ دیا جائے گا۔ چنانچہ حضور کے ہونٹوں کی حرکات اور قلم کی جنبش نے وہ کام کیا جو شمشیر اور

بادو باراں نہیں کر سکتے۔ اور اسلام جو دُنیا سے نابود ہو چکا تھا، آپ کے ذریعہ اُسے اللہ تعالےٰ نے دوبارہ دُنیا پر نازل فرمایا۔ اور اللہ تعالےٰ کے فضل و رحمت سے قرآن شریف کے معانی کی روح دوبارہ نفخ کی گئی۔ اور حضور نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی برکت سے دنیا کو دوبارہ للکارا، اور کہا، قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا۔ کہدے، کہ تمام اہلِ کتاب اور غیر اہلِ کتاب اور علماء یہود و نصاریٰ و ہنود اور تمام سیاستدان اور ماہرانِ علم اقتصاد اور فلاسفر و علماء طبعیّات مِل کر قرآن شریف کا مقابلہ کرنا چاہیں، تو اس میں عاجز رہیں گے۔ خواہ ان کا بعض بعض کی مدد کرے۔

جیسا کہ ابھی دکھایا جا چکا ہے، حضور علیہ السّلام نے ابتداء ہی میں اس بات کا اعلان کر دیا تھا، کہ اسلامی تعلیم کی جو تشریح اور قرآن شریف کی جو تفسیر مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکھلائی گئی ہے، وہ عدیم المثال ہے، اور اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا، چنانچہ آپ کی تحدّی اور چیلنج کے باوجود کوئی مقابلہ کے لئے نہ آیا۔ ہاں مخالفین گالیاں دیتے رہے، اور لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ کی بڑ مارتے رہے، اور اس طرح اسلامی تعلیم کا بالا و برتر ہونا اپنی ہزیمت اور بزدلی سے ثابت کرتے رہے۔ لیکن نزولِ ثانی کے وقت اللہ تعالےٰ نے اسی پر بس نہیں کی، بلکہ جیسا کہ تقدیر میں لکھا تھا، دسمبر ۱۸۹۶ء میں مختلف مذاہب کے لوگوں کا ایک جلسہ اعظم لاہور میں ۲۶، ۲۷، ۲۸ دسمبر ۱۸۹۶ء کو قائم ہوا، اس جلسہ میں دنیا کے تمام مذاہب کے نمائندے اور وکیل شامل تھے، تاکہ اپنے اپنے مذہب کے کمالات کا بیان کریں۔ اس موقعہ پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی ان لوگوں نے دعوت دی۔ اس دعوت کے پہونچنے پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۲۱ دسمبر کو قبل از وقت ایک اشتہار شائع کیا جس میں فرمایا:۔

"جلسۂ اعظم مذاہب جو لاہور . . . . . میں ۲۶، ۲۷، ۲۸ دسمبر ۱۸۹۶ء کو ہوگا

اس میں اس عاجز کا ایک مضمون قرآن شریف کے کمالات اور معجزات کے بارہ میں پڑھا جائے گا۔ یہ وہ مضمون ہے جو انسانی طاقتوں سے برتر اور خدا کے نشانوں میں سے ایک نشان اور خاص اسکی تائید سے لکھا گیا ہے۔۔۔۔۔۔ مجھے خدائے علیم نے الہام سے مطلع فرمایا ہے۔ کہ یہ وہ مضمون ہے جو سب پر غالب آئے گا۔ اور اس میں سچائی اور حکمت اور معرفت کا وہ نور ہے، جو دوسری قومیں بشرطیکہ حاضر ہوں اور اس کو اوّل سے آخر تک سنیں شرمندہ ہو جائیں گی، اور ہرگز قادر نہیں ہونگی کہ اپنی کتابوں کے یہ کمال دکھلا سکیں۔ خواہ وہ عیسائی ہوں، خواہ آریہ خواہ سناتن دہرم والے یا کوئی اور۔ کیونکہ خدا تعالےٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ اس روز اس کی پاک کتاب کا جلوہ ظاہر ہو۔" (تذکرہ صہ ۲۸۱)

اللہ تعالےٰ کی وحی کے مطابق جس قدر مضامین اس جلسہ میں پڑھے گئے تھے، ان سب پر حضور علیہ السلام کا مضمون غالب اور فائق رہا۔ اور خود غیر مذاہب کے لوگوں نے گواہیاں دیں، کہ آپ کا مضمون سب پر غالب رہا ہے، چنانچہ اس جلسہ کے پریزیڈنٹ کے ریمارکس حسب ذیل ہیں:۔

Digitized by Khilafat Library

"پنڈت گوردھن صاحب کی تقریر کے بعد نصف گھنٹہ کا وقفہ تھا، لیکن چونکہ بعد از وقفہ ایک نامی وکیل اسلام کی طرف سے تقریر کا پیش ہونا تھا۔ اس لئے اکثر شائقین نے اپنی اپنی جگہ کو نہ چھوڑا۔ ڈیڑھ بجنے میں ابھی بہت سا وقت رہتا تھا کہ اسلامیہ کالج کا وسیع مکان جلد جلد بھرنے لگا اور چند ہی منٹوں میں تمام مکان پُر ہو گیا۔ اس وقت کوئی سات اور آٹھ ہزار کے درمیان مجمع تھا۔ مختلف مذاہب و ملل، اور مختلف سوسائٹیوں کے معتدبہ اور ذی علم آدمی موجود تھے، اگرچہ کرسیاں اور میزیں اور فرش نہایت ہی وسعت کے ساتھ مہیا کیا گیا۔ لیکن صدہا آدمیوں کو کھڑا ہونے کے سوا کچھ بن نہ پڑا۔ اور ان کھڑے ہوئے شائقینوں میں بڑے بڑے رؤسا، عمائد پنجاب، علماء، فضلاء، بیرسٹر، وکیل، پروفیسر، اکسٹرا اسسٹنٹ، ڈاکٹر غرضکہ اعلیٰ طبقہ کے مختلف برانچوں کے ہر قسم کے آدمی موجود تھے، نہایت صبر کے ساتھ جوش

سے برابر چار پانچ گھنٹے اس وقت ایک ٹانگ پر کھڑا رہنا پڑا۔ اس مضمون کے لئے اگرچہ کمیٹی کی طرف سے صرف دو گھنٹے ہی تھے، لیکن حاضرین جلسہ کو عام طور پر اس سے کچھ ایسی دلچسپی پیدا ہو گئی۔ کہ موڈریٹر صاحبان نے نہایت جوش اور خوشی کے ساتھ اجازت دی کہ جب تک یہ مضمون ختم نہ ہو تب تک کارروائی جلسہ کو ختم نہ کیا جاوے۔ ان کا ایسا فرمانا عین اہل جلسہ اور حاضرین جلسہ کی منشاء کے مطابق تھا، کیونکہ جب وقت مقررہ کے گذرنے پر مولوی ابویوسف مبارک علی صاحب نے اپنا وقت بھی اس مضمون کے ختم ہونے کے لئے دیدیا۔ تو حاضرین اور موڈریٹر صاحبان نے ایک نعرۂ خوشی سے مولوی صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ یہ مضمون شروع سے اخیر تک یکساں دلچسپی و قبولیت اپنے ساتھ رکھتا تھا۔" (تذکرہ صفحہ ۲۸۲ و ۲۸۳)

اس مضمون کی ہر دلعزیزی اور قبولیت صرف جلسہ گاہ تک محدود نہیں رہی، بلکہ تمام اکناف عالم میں پھیل گئی۔ چنانچہ پنجاب کے مشہور انگریزی اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" جو نیم سرکاری اخبار تھا، اور اس کے ادارہ کے مالک یورپین عیسائی تھے، اس مضمون کی تعریف کرتا ہے، اور اس کو نہایت ہی دلکش اور اعلےٰ درجہ کا مضمون قرار دیتا ہے، اور دیگر مضامین کا قطعی طور پر ذکر نہیں کرتا، گویا اس اخبار کے ادارہ کی رائے میں سوائے اس مضمون کے اور کوئی مضمون یا مقرر قابلِ ذکر ہی نہیں تھا۔ اس کی رائے درج ذیل ہے:۔

"جلسہ مذاہب لاہور جو ۲۶ و ۲۷، ۲۸ر دسمبر ۱۸۹۶ء کو اسلامیہ کالج لاہور کے ہال میں منعقد ہوا جس میں مختلف مذاہب کے نمائندوں نے مندرجہ ذیل پانچ سوالوں کا جواب دیا (آگے پانچوں سوال نقل کئے ہیں) لیکن سب مضمونوں سے زیادہ توجہ اور دلچسپی سے مرزا غلام احمد قادیانی کا مضمون سُنا گیا۔ جو اسلام کے بڑے بھارے مؤیّد اور عالم ہیں۔ اس لیکچر کو سُننے کیلئے دور و نزدیک سے ہر مذہب کے لوگ بڑی کثرت کے ساتھ جمع تھے، چونکہ مرزا صاحب خود شامل جلسہ نہیں ہو سکے۔ اس لئے مضمون ان کے ایک قابل اور فصیح شاگرد . . . . نے پڑھا۔ ۲۷ر تاریخ والا مضمون قریباً ساڑھے تین گھنٹے تک پڑھا گیا۔ اور گو

ابھی پہلا سوال ہی ختم ہؤا تھا، لوگوں نے اس مضمون کو ایک وجد اور محویت کے عالم میں سُنا، اور پھر کمیٹی نے اس کے لئے جلسہ کی تاریخوں میں ۲۹ر دسمبر کی زیادتی کر دی۔"

"سول" کے علاوہ پنجاب آبزرور، پیسہ اخبار، چودھویں صدی، صادق الاخبار اور مخبر دکن وغیرہ تمام اخبارات نے بھی اس مضمون کی تعریف و توصیف میں نوٹ لکھے۔

زندگی کی ایک علامت یہ ہے، کہ زندہ اشیاء بڑھتی، پھیلتی اور پھولتی اور قائم رہتی ہیں۔ اسی لئے جب دنیا بقیہ تمام مضامین کو بھول چکی ہے، حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا مضمون مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو کر اکنافِ عالم میں پھیل چکا ہے، اور تمام ممالک کے رہبروں اور لیڈروں سے خراجِ تحسین حاصل کر چکا ہے۔ چنانچہ اس وقت تک یہ مضمون انگریزی، عربی، گجراتی، فرانسیسی، ہندی، بنگالی، ملایا، سماٹرا، اور جاوا کی زبان، چینی، سندھی، جرمن، برمی، کنڑی، گورمکھی، مرہٹی، ملیالم، تامل، تلگو، ڈچ وغیرہ قریبًا بیس زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

Digitized by Khilafat Library

جب غیر ممالک میں اس مضمون کا ترجمہ Teachings of Islam کے نام سے شائع ہؤا، تو مختلف اخبارات اور انگریزی رسائل نے جس رنگ میں اس کا خیر مقدم کیا، وہ مندرجہ ذیل آراء سے ظاہر ہے:-

۱۔ سکاٹس مین لکھتا ہے:۔ "مذاہب مختلفہ کا مقابلۃً مطالعہ کرنے والے طبقہ میں یقینًا اس کتاب کا بہت خیر مقدم کیا جائے گا۔"

۲۔ "برسٹل ٹائمز اینڈ مرر" لکھتا ہے:۔ "یقینًا وہ شخص جو اس رنگ میں یورپ اور امریکہ کو خطاب کرتا ہے، کوئی معمولی آدمی نہیں ہو سکتا۔"

۳۔ "سپر چوئل جرنل بوسٹن" لکھتا ہے:۔ یہ کتاب بنی نوع انسان کے لئے ایک بشارت ہے۔"

۴۔ "تھیوسافیکل بک نوٹ" لکھتا ہے:۔ یہ کتاب محمد صلعم کے مذہب کی بہترین اور سب سے دل کش تصویر ہے۔"

اس جلسہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علاوہ مسلمانوں کی طرف سے جو اور وکیل پیش ہوئے، ان میں سے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور مولوی ثناء اللہ صاحب خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ یہ دونوں مولوی صاحبان حضرت مسیح موعودؑ کے شدید مخالفین کی صف میں ہیں، اور اس علمی مقابلہ کے میدان میں خدا تعالےٰ نے حضرت اقدسؑ کے مضمون کو غالب کر کے یہ ثابت کر دیا، کہ اس زمانہ کے ظاہری علماء کسی طرح بھی آپؑ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ان علماء کے مقابلہ میں حضرت مسیح موعودؑ کے مضمون کی برتری کی اس گواہی کے علاوہ جو عین اس موقع اور وقت پر ادا کی گئی، ایک اور انتظام جو خدا تعالےٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کے مضمون کی فضیلت کو ہمیشہ ظاہر کرنے کے لئے کیا، یہ ہے، کہ جو مضامین اس جلسہ میں پڑھے گئے، وہ کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس کتاب میں مولوی ثناء اللہ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور دیگر وکلاء مذاہب کی تقریریں درج ہیں۔ اور ہر ایک حق جو اور صداقت سے محبت رکھنے والا شخص اسے پڑھ کر یہ فیصلہ کر سکتا ہے، کہ ان تقاریر میں سے سب سے بالا اور اعلیٰ اور حقائق روحانیہ کے بیان کرنے والی کونسی تقریر ہے۔ اس تقریر کو جب دوسری تقریروں کے مقابلہ میں پڑھا جاتا ہے، تو بے ساختہ اللہ اکبر کا نعرہ دل سے بلند ہوتا ہے، اور قرآن شریف اور مذہب اسلام کی برتری دیگر مذاہب پر روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ اور کلامِ الٰہی کا نعرہ ھَلْ مِنْ مُبَارِزٍ جو آج سے ۱۴ سو سال پہلے بلند کیا گیا، موجودہ زمانۂ کفر و الحاد میں دوبارہ زندہ اور بلند کیا گیا ہے۔

اُس زمانہ میں مخاطب عرب تھے۔ اور عربی زبان کی فصاحت اور بلاغت پر ان کو گھمنڈ تھا۔ لیکن وہ قرآن کے حسنِ بیان کے اس قدر قائل ہوئے، کہ لبیدؔ جیسے چوٹی کے عرب شاعر اور ماہرِ زبان نے اپنا قصیدہ خانہ کعبہ سے اتار لیا، اور مسلمان ہو گیا۔ اور جب لوگوں نے ان کو مزید اشعار کہنے کے لئے کہا، تو انہوں نے انکار کرتے ہوئے کہدیا، کہ قرآن شریف کے بعد میری شاعری کی ضرورت نہیں۔ یہ بات اور لبیدؔ کی گواہی عربوں کے لئے حجت تھی، لیکن فی زمانہ اسلام غیر ممالک میں پھیل گیا ہے، اور انسانی تہذیب ایک نیا پلٹا کھا چکی ہے، اور اسلام

ایسی اقوام اور ایسے ممالک میں پھیل چکا ہے، جو عربی زبان سے قطعی ناواقف ہیں، لیکن اپنے فلسفہ پر نازاں ہیں ۔ اور اس تکبر اور فخر میں دو اقوام پیش پیش ہیں۔ اوّل یورپ کے لوگ اور دوسرے ہندوستان کے لوگ۔ یورپ کو ایک نئی تہذیب کی بنیاد ڈالنے پر فخر ہے، اور ہندوستان کو اپنی پرانی تہذیب اور حکمت اور فلسفہ پر ناز ہے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے حفاظت اور تبلیغ اسلام کے لئے اور اسلامی تعلیم و ہدایت کو دُنیا پر دوبارہ اس نئے میدان میں غلبہ اور برتری عطا کرنے کے لئے قرآن کے معانی کو ایک غیر عرب یعنی جری اللہ فی حُلل الانبیاء حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی پر نازل فرمایا۔ پھر اس ملک میں ایسے اسباب پیدا کر دیئے، کہ یورپ اور ہند کے فلاسفہ اور ہادیانِ مذاہب اور منکر علماء کو اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایک میدان میں کھڑا کر دیا۔ اور معانی اور بیان دونوں قسم کی خوبیوں میں اللہ تعالےٰ کا فرستادہ تمام حریفوں سے بازی لے گیا۔ اور قرآن شریف کی بے مثل تفسیر سے قرآن شریف کے بے مثل ہونے کا ثبوت غیر مسلم اقوام کے اپنے اقرار سے مل گیا۔ یہ واقعہ ہے، جس کو دُنیا نہ مٹا سکتی ہے، اور نہ اس کا انکار کر سکتی ہے۔

غیر مسلم اقوام ممکن ہے، کہ یہ عذر پیش کریں، کہ ہم اس معیار صداقت کو نہیں مانتے، لیکن مسلم علماء اس بات سے کس طرح انکار کر سکتے ہیں، کیونکہ چودہ سو سال سے یہ لوگ خود یہ معیار غیر اقوام کے سامنے پیش کرتے رہے ہیں۔ اگر بے مثل کلام صداقت محمدیہ کے لئے کافی ہے، تو کیا وجہ بے مثل بیان کلام اور عدیم المثال تفسیر حضرت مسیح موعود کی صداقت کا ثبوت نہیں ہو سکتی۔

Digitized by Khilafat Library

حضرت اقدس کے اس مضمون کی ہر دلعزیزی قبولیت اور عدیم المثالی اور بھی حیرت انگیز ہو جاتی ہے، جب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں، کہ اس مضمون کے بالا اور برتر رہنے کا اعلان آپؑ وحیٔ الٰہی کی بناء پر قبل از وقت کر چکے تھے۔ اور ایک اشتہار کے ذریعہ سے خاص و عام کو اس کی اطلاع کر دی گئی تھی۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ تمام کارروائی تائید

اور نصرت الٰہی سے ہوئی، اور انسانی ہاتھوں کا اس میں دخل نہ تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے
مختلف وقتوں اور مختلف کتابوں کی تصنیف کے موقعہ پر مخالفین کو کھلا کھلا چیلنج دیا ہے۔
اور یہ ایک ایسا رنگ تحدی کا ہے، جو انبیاء اللہ کے لئے مخصوص ہے۔ اور انسان قبل
از وقت ایسے امور کے متعلق ایسا وثوق حاصل نہیں کر سکتا، جب تک کہ اللہ تعالےٰ کے
زبردست ہاتھ کو اپنی تائید و نصرت میں نہ دیکھ لے۔ جب ان دونوں امور پر یکجا غور کیا
جائے، تو دعویٰ کی نوعیت اور صداقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ میں اپنے الفاظ میں اُس
زور اور اُس طاقت اور وثوق کو بیان نہیں کر سکتا، جو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے
اپنے الفاظ میں ہے۔ وہ حسن اور دلبری اور دلربائی جو حضور علیہ السلام کے الفاظ میں
پائی جاتی ہے، اور کہاں پائی جا سکتی ہے؟ اس لئے مَیں یہ مضمون حضرت مسیح موعود علیہ
الصّلوٰۃ والسلام کے مندرجہ ذیل فارسی اشعار پر ختم کرتا ہوں۔

علمِ قرآں علمِ آں طیّب زباں
علمِ غیب از وحیِ خلّاقِ جہاں
ایں سہ علمم چوں نشانہا دادہ اند
ہر سہ ہمچوں شاہداں استادہ اند
آدمی زادے ندارد ہیچ فن
تا درآویزد ایں میدانِ من

Digitized by Khilafat Library

نئی کتابوں پر تبصرہ

Digitized by Khilafat Library

"الحدیث":-

یہ خوشی کا مقام ہے، کہ گذشتہ چند سالوں سے ہندوستانی مسلمانوں کو اپنے مذہبی لٹریچر کی اشاعت کی طرف خاص توجہ پیدا ہوئی ہے، خصوصًا انگریزی دان طبقہ نے اس بارہ میں اپنی گذشتہ کوتاہی کا بہت حد تک ازالہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ پچھلے بیس پچیس سالوں میں بہت سا مفید اسلامی لٹریچر شائع ہو چکا ہے۔ قرآن کریم کے تراجم اور آنحضرتؐ کی سوانح اور دیگر ضروری اسلامی مسائل پر انگریزی میں بہت سی مفید کتب لکھی جا چکی ہیں اور دن بدن انہیں اضافہ ہو رہا ہے اسلامی لٹریچر میں جو رتبہ اور مقام کلام الٰہی کے بعد کلام رسولؐ کو حاصل ہے، وہ ظاہر ہے، لیکن جہاں قرآن کریم کے کئی انگریزی تراجم شائع ہو چکے تھے، حدیث کی کوئی کتاب ابھی تک انگریزی میں ترجمہ نہ ہوئی تھی، یا کم از کم ہمیں کسی ایسی تصنیف کا علم نہ تھا۔ اس بہت بڑی ضرورت کے پورا کرنے کی توفیق اللہ تعالےٰ نے الحاج جناب مولٰینا فضل کریم صاحب ایم۔ اے۔ بی۔ ایل (بنگال سول سروس) کو عطا فرمائی ہے، آپ نے چار جلدوں میں مشکوٰۃ المصابیح کا ترجمہ انگریزی میں بنام "الحدیث" شائع کیا ہے۔ حدیث کی درسی کتابوں میں شاید مشکوٰۃ سب سے زیادہ ضروری اور مفید کتاب ہے، اور جناب مولٰینا نے انگریزی دان مسلم و غیر مسلم طبقہ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مقدس و مطہر اقوال اور ارشادات سے واقف کرنے کے لئے ہمارے خیال میں مشکوٰۃ کو انگریزی میں ترجمہ کے لئے انتخاب کرنے میں صحیح کتاب کا انتخاب کیا ہے۔ اور اس ترجمہ سے آپ نے ایک بہت بڑی خدمتِ اسلام سر انجام دی ہے۔ یہ کتاب چار حصوں پر منقسم ہے۔ ہم اس کتاب پر مفصل ریویو تو

اس وقت ہی کر سکیں گے، جب مکمل کتاب ہمارے پاس پہونچے گی (فی الحال اس کا پہلا حصّہ ہمارے پاس پہونچا ہے) لیکن اتنی بات تو ہم اب بھی بلا کسی جھجک کے کہتے ہیں، کہ "الحدیث" کی اشاعت کے بعد انگریزی دان مسلم طبقہ کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے اس عذر کی بناء پر بے خبر رہنا کہ انہیں عربی زبان نہیں آتی، ایک غیر معقول عذر ہوگا۔ مولٰینا فضل کریم نے مشکوٰۃ کا انگریزی میں ترجمہ کر کے مسلمانوں پر اور خصوصًا انگریزی پڑھے ہوئے مسلمانوں پر بہت بڑا احسان کیا ہے پہلا حصہ ۷۶۰ صفحات پر مشتمل ہے، اور قیمت سات روپے ہے۔ کل کتاب کے تین ہزار سے زائد صفحات ہیں، اور اس کی قیمت پچیس روپے ہے۔ کتاب کا محض حجم ہی اس امر کو ظاہر کرتا ہے، کہ مولٰینا فضل کریم صاحب نے اس مبارک کتاب کی تیاری پر کتنی محنت اور کتنا صرفِ کثیر خرچ کیا ہے۔ مفصّل تبصرہ انشاءاللہ "ریویو" کی کسی آئندہ اشاعت میں ہوگا۔ ملنے کا پتہ:۔ "مینجر "الحدیث" دفتر پوسٹ آفس رَست رکھیرا ڈسٹرکٹ کھلنہ۔ بنگال" ہے۔

Digitized by Khilafat Library

"رحمتِ عالم"

"مبتدی طالب علموں، کم پڑھے لکھے لوگوں، بچّوں اور عورتوں کے لئے سیرت نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک ایسی مختصر، سادہ اور آسان کتاب کی ضرورت تھی جس کے بیان میں کوئی الجھاؤ اور عبارت میں کوئی دقّت نہ ہو، اور بیان مستند اور واقعات بھی صحیح ہوں" اِس ضرورت کو "رحمتِ عالم" نے کماحقہ، پورا کر دیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت نگار سیّد سلیمان صاحب ندوی نے یہ مختصر سیرۃ لکھی ہے۔ اس مختصر مگر جامع کتاب کے واقعات کی صحت اور جامعیّت اور اسکے بیان کی خوبصورتی اور دلآویزی کیلئے اس سے بڑھکر اور کیا ضمانت ہوسکتی ہے، کہ سیّد صاحب موصوف اس کے مصنّف ہیں۔ ہمیں یقین ہے۔ کہ یہ کتاب بہت مقبول ہوگی، اور بہت کثرت سے پڑھی جائیگی۔ حجم ۱۵۷ صفحات۔ لکھائی چھپائی دیدہ زیب قیمت ۸؍ فی نسخہ۔ مینجر دارالمصنّفین۔ اعظم گڑھ سے مل سکتی ہے۔ ۲۰ نسخوں کے خریدار سے ایک روپیہ فی نسخہ کے حساب سے لیا جائے گا:

خلیل احمدؐ

Digitized by Khilafat Library

"داستان مرزا" کے نام سے ایک کتاب معاندین احمدیت کی طرف سے شائع کی گئی ہے۔ جس میں قصّے کے رنگ میں یہ امر دکھانے کی سعی ناروا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مسیح ناصری علیہ السلام اور دیگر انبیاء کی توہین کی ہے۔ اور اخیر پر ایک احمدی کو مرتد دکھایا ہے۔ ہمارے سلسلہ کے مبلغ مولوی محمدؐ اسمٰعیل صاحب دیال گڈھی فاضل نے "خلیل احمدؐ" نام کی ایک کتاب بہ پیرایہ داستان لکھ کر اس کا جواب دلنشین و تسلّی بخش طرز میں دیا ہے۔ اور ان تمام حوالوں کی اصل حقیقت ظاہر کی ہے جو مغالطہ کے لیئے مخالف کی طرف سے دیئے گئے تھے۔ پھر اصل مطلب کو واضح کرنے کے لیئے بہت سے ایسے حوالے دکھائے ہیں۔ جن سے حضرت مسیح ناصری و دیگر انبیاء کی پوری پوری عزّت ظاہر ہوتی ہے۔

ساتھ ہی مخالفین کے ہم عقیدہ علماء و مناظرین کی تصانیف سے ویسے ہی حوالے درج کئے ہیں جیسے ہماری طرف منسوب کر کے ان سے توہین انبیا ثابت کی گئی تھی۔

اس کے علاوہ دیگر اعتراضات کا بھی خوب جواب دیا ہے۔ اور اخیر میں یہ دکھایا ہے کہ کس طرح ان دلائل بیّنہ سے متاثر ہو کر خلیل احمد کے دوست نہ صرف احمدیت کی مخالفت سے باز آئے۔ بلکہ ان میں سے جو بوجہ اپنے پہلے عقائد کی کمزوری کے پادریوں کے پھندے میں پھنس رہے تھے وہ بھی نکل آئے۔ اور احمدیت میں داخل ہونا اپنے لیئے موجب سعادت دارین سمجھنے لگے۔ یہ تالیف طلبا اور ان نوجوانوں کے لیئے بالخصوص مفید و

دلچسپ ہے۔ جو محض علمی رنگ میں لکھی ہوئی مذہبی کتابوں کو خشک کہہ کر پڑھتے نہیں۔ اور یوں کسی صداقت کی دریافت سے محروم رہ جاتے ہیں۔

طباعت و کتابت، کاغذ سب ہی نفیس ہیں حجم ۱۸۸ صفحے، تقطیع درسی قیمت چھ آنے علاوہ محصولڈاک۔

ملنے کا پتہ:- افضل برادرز قادیان

رسالہ تعلیم القرآن

حکیم محمد عبد اللطیف صاحب شہید منشی فاضل نے ایک رسالہ ماہوار ادارہ اشاعۃ القرآن بٹالہ (گورداسپور) سے جاری کیا ہے۔ جو بلا امداد استاد قرآن کریم کا ترجمہ سکھانیوالا، اسلامی دنیا میں اپنی طرز کا بہترین رسالہ ہے۔ اس وقت چار نمبر اس کے ہمارے سامنے ہیں۔ قرآن مجید کی آیت لکھ کر اس کے ہر لفظ کے الگ الگ معنی بتائے ہیں۔ پھر ترجمہ با محاورہ درج کیا ہے۔ اس کے بعد مختلف طریقوں اور سوالوں سے ایسی مشق کرائی ہے کہ سبق ازبر ہو جاتا ہے۔ بلکہ تھوڑے ہی عرصہ میں خود صحیح ترجمہ کرنے کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے حجم ہر رسالے کا ۲۰×۲۶/۸ ۴۰ صفحے جس میں ۲۵-۲۶ اسباق آ جاتے ہیں۔ صرف و نحو کے مسائل بھی بتائے جاتے ہیں۔ بہت مفید چیز ہے۔

چندہ سالانہ تین روپے فی پرچہ چار آنے۔ ہر کلمہ گو کو چاہیئے کہ اپنے اور اپنے بچوں کے لیئے اس کا خریدار بنے۔

کتابت و طباعت اور کاغذ عمدہ ہے۔ پتہ اوپر درج ہے۔

Digitized by Khilafat Library

۲۵ فیصدی کمی

تحریک جدید کے قومی سرمایہ سے جاری شدہ

حیرت انگیز رعایت

ویدک یونانی دواخانہ قادیان کی مستند اور مجرّب ادویات میں

عظیم الشان رعایت

ویدک یونانی دواخانہ تحریک جدید کے قومی سرمایہ سے قایم ہے ، ان تمام احباب کے فائدے کیلئے جو تحریک جدید سے محبّت رکھتے ہیں ہمنے پہلی بار سالانہ جلسہ کی مبارک تقریب پر اس دواخانہ کی زود اثر اور سریع التاثیر ادویات کی قیمت میں حیرت انگیز کمی کردی ہے تاکہ یہ ادویات ہر گھر تک آسانی پہنچ سکیں ، اور لوگوں کو ان کی سریع التاثیری کا علم ہو سکے - یہ رعایت یکم دسمبر ۱۹۴۰ء مطابق یکم فتح ۱۳۱۹ھش سے لے کر ۳۱ دسمبر ۱۹۴۰ء مطابق ۳۱ فتح ۱۳۱۹ھش تک رہیگی - اس عرصہ میں ہر دوا کی قیمت میں ۱/۴ یعنی

Digitized by Khilafat Library

پچیس ۲۵ فیصدی رعائیت

ہوگی - اُمید ہے کوئی گھر اور خاندان اس موقع سے فائدہ اٹھانے سے خالی نہ رہے گا -

اہم نوٹ :- اگر آپ خدانخواستہ کسی وجہ سے سالانہ جلسہ پر نہ پہنچ سکیں تو ۳۱ دسمبر ۱۹۴۰ء تک ڈاک خانہ میں پوسٹ ہونے والے آرڈروں کی تعمیل ۲۵ فیصدی رعایت کیساتھ کردیجائے گی

دواخانہ کے قیمتی اور مجرّب تحائف کی مختصر فہرست

نام دوا	مختصر خواص	اصلی قیمت	رعایتی قیمت
لبوب کبیر	اعصاب کو طاقت بخشتا ہے - تقویت دماغ اور قوت باہ کی لاثانی دوا ہے -	۱۰ تولہ عہ دو روپے آٹھ آنے	۱۴؍ ایک روپیہ چودہ آنہ

نام دوا	مختصر خواص	اصلی قیمت	رعایتی قیمت
حبّ جواہرات عنبری	یہ گولیاں اعضائے رئیسہ دل و دماغ اور گردوں کی اصلاح کرتی ہیں اور ہر طرح کی کمزوری کو دور کرکے نئی طاقت بخشتی ہیں	صہ ر پانچ روپے	۱۲ ر للعہ تین روپے بارہ آنے
مقوی کبیر	معمّر اور سن رسیدہ حضرات کی کھوئی ہوئی طاقت کیلئے بےنظیر چیز ہے	للعہ چار روپے	للعہ تین روپے
قرص ذکاوت	مرض جریان اور کثرت احتلام جیسی خطرناک بیماریوں کے لئے نہایت مفید ہے۔	فی شیشی عہ ر دو روپے	عہ ۸ ر ایک روپیہ آٹھ آنے
زد جام عشق	مردانہ طاقت بڑھانے کیلئے یہ مشہور و معروف نسخہ عمدہ اور خالص اجزاء سے تیار کیا جاتا ہے۔	صہ ر پانچ روپے	۱۲ ر للعہ تین روپے بارہ آنہ
طلاء شاہی	پوشیدہ نقائص کی اصلاح کیلئے اس کے نتائج بہت ہی کامیاب ثابت ہوئے ہیں۔	۶ ماشہ عہ ۸ ر دو روپے آٹھ آنے	عہ ۱۴ ر ایک روپیہ چودہ آنے
تریاق ماہواری	اس دوا کے چند روزہ استعمال سے ایام ماہواری باقاعدہ اور بغیر تکلیف کے آنے لگتے ہیں۔	بیس خوراک عہ ۴ ر ایک روپیہ چار آنے	۱۵ ر پندرہ آنے
اکسیر سیلان	یہ دوا سیلان الرحم یعنی سفید رطوبت کی شکایت اور زیادہ خون آنے کی صورت میں نہایت فائدہ مند ثابت ہوتی ہے	عہ ۴ ر ایک روپیہ چار آنے	۱۵ ر پندرہ آنے
روغن نسواں	سیلان الرحم، کمی حیض، ورم الرحم اور اختناق الرحم میں از حد مفید ہے اسکا استعمال بغیر دائی کی مدد کے ہو سکتا ہے	پانچ تولہ عہ ایک روپیہ	۱۲ ر بارہ آنے
می کو	جگر اور تلی کی تمام بیماریوں میں اکسیر ہے۔ جن بچوں کا جگر یا تلی بڑھی ہوئی ہو انھیں ضرور استعمال کرنا چاہیئے۔	عہ ایک روپیہ	۱۲ ر بارہ آنے
گرائپ جوس	بچوں کی مختلف شکایات مثلاً بدہضمی، قبض، یا دست وغیرہ نیز دانت نکلنے کے زمانے میں اس کا استعمال غیر معمولی طور پر مفید ہے	۱۰ ر دس آنے	۷ ر سات آنے
شربت فولاد	یہ شربت بھوک لگاتا، غذا کو ہضم کرتا، اور خون کی پیدائش کو بڑھاتا ہے۔ کمی خون کی حالت میں بہت مفید ہے	عہ ر ایک روپیہ	۱۲ ر بارہ آنے
سنون پائیوریا	دانتوں سے خون اور پیپ آنے کی شکایت دور کرنے کے علاوہ انھیں موتیوں کی طرح صاف اور چمکدار بناتا ہے۔	۸ ر آٹھ آنے	۶ ر چھ آنے

سرمہ بے نظیر کی بانچسو شیشی مفت — سرمہ بے نظیر کی دیگر سرموں پر افضلیت ثابت کرنیکے لئے اس مرتبہ یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ اس دواخانہ کی کوئی بھی دوا خواہ کسی قیمت کی ہی کیوں نہ ہو کے خریدار کو ایک شیشی "سرمہ بے نظیر" کی **مفت** بطور نمونہ پیش کی جائیگی یہ سرمہ تمام امراض چشم کے لئے مفید ہے۔ بگڑوں کے لئے نایاب تحفہ ہے۔ اصل قیمت دو روپے۔ رعایتی قیمت ڈیڑھ روپیہ (عہ ۸ ر)

خط و کتابت کے لئے صرف "ویلک یونانی دواخانہ قادیان" یاد رکھیں۔

دواخانہ نور الدین

Digitized by Khilafat Library

کے

مجربات خصوصی

اپنے جسم کو مضبوط بنائیے!

عنبرین

عنبرین کا چند روزہ استعمال طبیعت میں انقلاب، جسم میں قوت اور خون میں جولانی پیدا کرتا ہے۔ اس سے دل، دماغ، معدہ، جگر اور گردوں کو قوت پہنچتی ہے۔ اور پٹھوں میں طاقت آتی ہے۔ جسم کی پژمردگی، درماندگی، نقاہت، ناتوانی اور کمزوری دور ہو جاتی ہے۔ قوت مردمی بڑھتی ہے۔ آپ نوجوان بن کر زندگی کا لطف اٹھا سکتے ہیں۔

آپ کو اپنی حفاظت اور بیماریوں کے مقابلہ کی قوت حاصل کرنے کے لیئے بھی اس دیرپا اور مستقل اثر رکھنے والے معجون کی ضرورت ہے۔ مشک عنبر، زعفران اور قیمتی جواہرات اس کے خاص اجزا ہیں۔ قیمت فی تولہ ساڑھے چار روپے للعہ

رفیق نسواں

Digitized by Khilafat Library

رفیق نسواں عورتوں کی مخصوص بیماریوں کے لیے

حضرت حکیم الامۃ کی نہایت کامیاب دوا

ہے۔ اس کے استعمال سے ایام حیض کی خرابیاں دور ہو جاتی ہیں اگر حیض کی بے قاعدگی، بندش یا کمی ہے، یا حیض کا خون تکلیف سے رُک رُک کر آتا ہے، ناف کے نیچے ابھار ہے۔ دبانے سے دکھن محسوس ہوتی ہے، کمر اور پنڈلیوں میں درد رہتا ہے، جی متلاتا ہے، یا ہاتھ پاؤں اور سر میں جلن ہے، کسی کام کرنے کو دل نہیں چاہتا، تو یہ سب باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ آپ کو

"رفیق نسواں"

کا استعمال جلد سے جلد شروع کر دینا چاہیئے۔ کیوں کہ وہ ان تکالیف کو دور کر کے

آپ میں قوت و توانائی

اور از سر نو صحت تازہ پیدا کر دے گی *

قیمت { پچاس قرص — دو روپے
یکصد قرص — تین روپے بارہ آنے

مرہم نور

ہر قسم کے زخموں اور پھوڑوں کا بہترین علاج

یہ عجیب و غریب مرہم ہر قسم کے گھاؤ، دنبل، پھوڑے، پھنسیوں اور زخموں کو گلنے سڑنے سے بچا کر تمام زہریلے اور فاسد مادّوں کو انکی جڑوں سے کھینچ نکالتا ہے۔ بگڑے ہوئے اور گندے زخم اس کے استعمال سے اچھے ہو جاتے ہیں۔

اسکا ایک ہی پھایا اپنے حیرت انگیز اثرات دکھا دیتا ہے،

اس مرہم کو استعمال کرنے کے بعد یقیناً آپ کسی دوسری مرہم کی تلاش نہیں کریں گے۔

Digitized by Khilafat Library

ایسی بہترین مرہم کا ہر گھر میں رہنا نہایت ضروری ہے،

قیمت

بڑی ڈبیہ ...... ایک روپیہ بارہ آنے

چھوٹی ڈبیہ ...... ایک روپیہ

معجون ملیّن

قبض ایک عالمگیر بیماری ہے - اس کی وجہ سے خراب ، زہریلے اور متعفن مادے جسم میں جذب ہو کر طرح طرح کی بیماریاں پیدا کرتے ہیں ۔ " معجون ملیّن " کا استعمال

قبض کا بہترین علاج

ہے ۔ یہ قطعی بے ضرر معجون دست نہیں لاتا جس سے کمزوری پیدا ہو - بلکہ بغیر مروڑ اور بے چینی کے بندھی ہوئی اجابت کھل کر ہو جاتی ہے ۔

معدہ کی خرابی اور زائد رطوبت کو دور کرنے ، اور پیٹ کے بڑھنے کو روکنے اور آنتوں کو مضبوط کرنے کے لئے بھی " معجون ملین " کا استعمال مفید ہے ۔

قیمت :- تین آنے تولہ ۔

ہر قسم کی خط و کتابت کیلئے یہ پتہ یاد رکھیں :-

Digitized by Khilafat Library

دواخانہ نور الدین قادیان

نوٹ :۔ وصایا منظوری سے پہلے اس لئے شائع کی جاتی ہیں کہ اگر کسی کو کوئی اعتراض ہو تو دفتر کو اطلاع دے۔

وصیتیں

نمبر ۵۸۹۲ :۔ منکہ مولابخش ولد محمدی عرف نکا قوم جدران عمر ۶۰ سال تاریخ بیعت ۱۹۰۶ء ساکن بنگہ ضلع جالندھر بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۸-۹-۴۰ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ موجودہ وقت میں میری غیر منقولہ جائداد دو عدد مکانات ہیں جن کی قیمت موجودہ وقت میں مبلغ -/۷۰۰ روپیہ ہے، جس کا میں واحد مالک ہوں۔ کام میں خود کوئی نہیں کرتا۔ میرا گذارہ خوراک وغیرہ کا دونوں لڑکوں عطا محمد وعبد الرحمٰن کے ذمہ ہے۔ اس کے علاوہ میری کوئی اور جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ نہیں۔ لہٰذا میں اپنی جائیداد کے روپیہ سے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان دارالامان کرتا ہوں۔ نیز کوئی اور جائیداد بوقت وفات ثابت ہو، تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں کوئی روپیہ ایسی جائیداد کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کردوں، تو اس قدر روپیہ اسکی قیمت سے منہا کر دیا جائے گا۔ العبد :۔ نشان انگوٹھا مولابخش۔ گواہ شد :۔ عطا محمد پسر موصی۔ بنگہ۔ گواہ شد :۔ ایم رحمت اللہ باغانوالہ بنگہ۔

نمبر ۵۵۳۳ :۔ منکہ خان زادی زوجہ اللہ بخش خان احمدی قوم بلوچ بزدار پیشہ زراعت عمر قریباً ساٹھ سال تاریخ بیعت ۱۹۰۳ء ساکن بستی بزدار ڈاکخانہ کوٹ قیصرانی ضلع ڈیرہ غازیخان بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۳۰-۱۲-۳۹ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری غیر منقولہ جائداد اس وقت کوئی نہیں۔ منقولہ حسب ذیل ہے۔ ایک گائے معہ بچھڑا قیمتی -/۴۰ روپے ایک گائے گابھن قیمتی -/۳۰ روپے۔ ایک بچھڑا نر قیمتی -/۵ روپے، ایک بچھڑی مادہ قیمتی -/۵ روپے۔ پارچات قیمتی -/۲۰ روپے۔ کل -/۱۰۰ روپے۔ اس کے ۱/۵ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ جو عنقریب مویشی فروخت کرکے اپنی زندگی میں ادا کردوں گی۔ اس کے علاوہ اگر میری وفات پر کوئی جائیداد ثابت ہو، تو اس کے ۱/۵ حصہ کی مالک بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ الامتہ :۔ خانزادی نشان انگوٹھا۔ گواہ شد :۔ علی محمد احمدی پسر موصیہ۔ گواہ شد :۔ قادربخش احمدی مدرس پسر موصیہ۔

نمبر ۵۶۷۹ :۔ منکہ سردار بیگم زوجہ غلام حسن خانصاحب قوم قیصرانی عمر ۲۳ سال تاریخ بیعت سنہ ۱۹۳۰ء ساکن کوٹ قیصرانی ضلع ڈیرہ غازی خاں حال ملتان بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ

آج بتاریخ ۲۳ر ستمبر ۱۹۴۰ء حسب ذیل وصیّت کرتی ہوں۔ میری موجودہ جائیداد حسب ذیل ہے۔ کل زیورات طلائی ورنی اندازاً ۱۱ تولہ جس کی قیمت اندازاً ۳۸۵/- روپے ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں تیس تولہ چاندی کا زیور بھی ہے جس کی قیمت اندازاً پندرہ روپے ہوتی ہے۔ کل قیمت زیورات مبلغ چار سو روپیہ ہوئی۔ حق مہر زیورات کی صورت میں میں نے اپنے خاوند سے وصول کر لیا ہوا ہے۔ میری اور کوئی جائیداد نہیں ہے۔ مَیں اپنی اس جائیداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیّت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اور یہ بھی بحق صدر انجمن احمدیہ وصیت کرتی ہوں کہ میری اس جائیداد کے علاوہ اور کوئی جائیداد بوقت وفات ثابت ہو، تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں کوئی روپیہ ایسی جائیداد کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کی مد میں کروں تو اس قدر روپیہ اس کی قیمت سے منہا کر دیا جائے گا۔ الامتہ۔ سردار بیگم۔ گواہ شد۔ غلام حسن خان خاوند موصیہ سارٹر میل سروس ملتان۔ گواہ شد۔ محمد حیات خان آنریری انسپکٹر بیت المال حال ملتان

نمبر ۵۶۱۵۔ منکہ غلام محمد ولد جھنڈا قوم ترکھان پیشہ مزدوری عمر ۲۶ سال تاریخ بیعت ۱۹۳۹ء ساکن شیخپور ضلع گجرات بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۲۲ ۴/۱۳۱۹ حسب ذیل وصیّت کرتا ہوں۔ میری اس وقت جائیداد حسب ذیل ہے جس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیّت کرتا ہوں میرا ایک مکان خام تعدادی دس مرلہ جگہ ہے۔ جس میں مکان تعمیر ہے جس کی قیمت تعدادی مبلغ تین صد روپیہ ہے۔ تین صد روپیہ نقد جو اس وقت میرے پاس موجود ہے۔ جس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان ضلع گورداسپور کرتا ہوں۔ فی الحال میرا گذارہ مزدوری پر ہے جس قدر ماہوار مزدوری کا روپیہ کماؤنگا اس کا بھی ۱/۱۰ حصہ کی ادائیگی ماہ بماہ کرتا رہونگا۔ میرے مرنے کے بعد جس قدر میری جائیداد اس کے علاوہ ثابت ہو۔ اسکے ۱/۱۰ حصہ کی وارث صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ لہٰذا وصیت بہوش قائمی لکھدیتا ہوں کہ سند رہے۔ نقشہ مکان واقعہ آبادی شیخوپورہ جس کی وصیت کرتا ہوں حسب ذیل ہے:۔

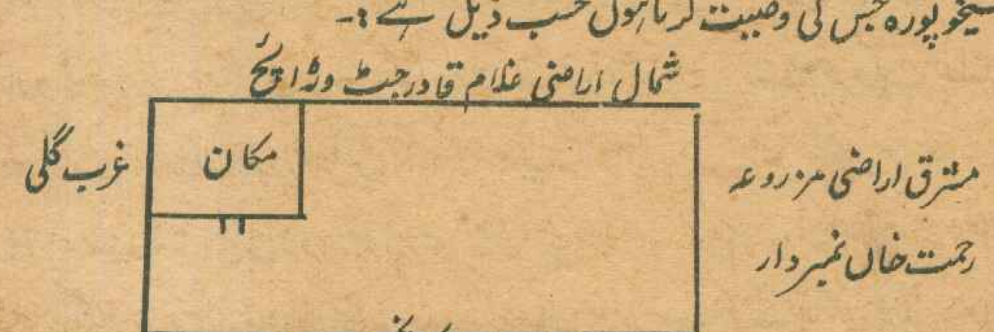

العبد:۔ غلام محمد موصی۔ گواہ شد:۔ نور حسن شاہ سکرٹری بقلم خود۔ گواہ شد:۔ میراں بخش بقلم خود

Digitized by Khilafat Library

نمبر ۵۷۳۴:۔ منکہ عبدالرحمٰن ولد خلیفہ نور دین صاحب قوم غوری پیشہ ملازمت عمر ۲۹ سال پیدائشی احمدی ساکن محلہ پیر مٹھا جموں بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۳ ماہ نبوت ۱۳۱۹ھش حسب ذیل وصیّت کرتا ہوں:۔ میں اس وقت -/۸۰ ماہوار تنخواہ پاتا ہوں اس کے علاوہ میری اس وقت کوئی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد نہیں۔ میں اپنی ماہوار آمد کے ۱/۱۰ حصّہ کی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیّت کرتا ہوں۔ نیز اگر میرے مرنے کے بعد کوئی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ ثابت ہوگی تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصّہ پر یہ وصیّت حاوی ہوگی۔ ہاں اگر میں اپنی زندگی میں کوئی حصّہ وصیت کا ادا کروں تو وہ حصہ کل واجب الوصول حصّہ میں سے منہا کر دیا جائیگا۔ العبد:۔ خلیفہ عبدالرحمٰن اسسٹنٹ انسپکٹر کسٹم اینڈ اکسائز سرائے صفا کدل سری نگر کشمیر۔ گواہ شد:۔ سیّد محمد لطیف انسپکٹر بیت المال۔ گواہ شد:۔ عبدالواحد۔ ایڈیٹر اخبار ”اصلاح“ سری نگر کشمیر۔

Digitized by Khilafat Library

نمبر ۵۵۳۳:۔ منکہ خورشید احمد خورشید ولد چوہدری نواب الدین صاحب قوم جٹ پیشہ ملازمت عمر بیس سال پیدائشی احمدی ساکن چک ۳۳۲/ دھنی دیو ڈاک خانہ خاص براستہ پکا انا ضلع لائلپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۷/۸ احسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اس وقت بفضلِ تعالےٰ میرے والد صاحب حیات ہیں، اس لئے میری کوئی غیر منقولہ جائیداد نہیں ہے۔ مگر میں اس وقت منور آباد اسٹیٹ سندھ میں بمشاہرہ سولہ روپے پر ملازم ہوں۔ اس کے علاوہ مجھے حضرت اقدس کی طرف سے ایک من غلّہ بطور عطیہ ماہوار ملتا ہے جس کی قیمت اندازاً تین روپے ہے گویا کل ماہوار آمد انیس ۱۹ روپے ہے۔ میں بشرح صدر اس کے ۱/۱۰ حصّہ کی وصیّت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اگر اس کے علاوہ کوئی منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد میں نے پیدا کی تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصّہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ نیز میرے ورثاء میری اس وصیّت کے پابند ہونگے۔ العبد:۔ خورشید احمد خورشید منشی منور آباد اسٹیٹ ڈاکخانہ سامارو ضلع تھرپارکر سندھ۔ گواہ شد:۔ عبدالرحمٰن بی، اے ٹیچر چک ۳۳۲/ دھنی دیو۔ گواہ شد:۔ ملک عبدالعزیز انسپکٹر بیت المال۔

نمبر ۵۵۹۰:۔ منکہ رسول بی بی زوجہ چوہدری فیض احمد صاحب قوم جٹ ڈھینڈسہ عمر ۴۹ سال پیدائشی احمدی ساکن پوہلا مہاراں ڈاکخانہ چندر کے جٹاں ضلع سیالکوٹ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۷ ماہ شہادت ۱۳۱۹ہش حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔

میری جائداد اس وقت حسب ذیل ہے۔ زیور قیمتی مبلغ پانصد روپیہ جس کی تفصیل یہ ہے
(۱) یکتیاں طلائی (۲) کنٹھہ طلائی (۳) دونی طلائی (۴) پہنچیاں طلائی (۵) لونگ طلائی (۶)
بوہڑ طلائی۔ (۲) مبلغ پانصد روپیہ حق مہر جو بذمہ خاوند ہے۔ میں اس مندرجہ بالا جائیداد
کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اور یہ بھی وصیت کرتی ہوں۔ کہ میری
وفات پر اس جائیداد کے علاوہ اور کوئی جائیداد ثابت ہو۔ تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر
انجمن احمدیہ قادیان ہو گی۔ یہ وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان لکھدی ہے کہ سند رہے ؛
الامۃ :۔ رسول بی بی۔ زوجہ چوہدری فیض احمد صاحب۔ گواہ شد :۔ چوہدری غلام محمد امیر جماعت
احمدیہ پوہلا مہاراں۔ گواہ شد :۔ فیض احمد خاوند موصیہ ؛

نمبر ۵۶۸۰ :۔ منکہ آمنہ بیگم بنت شیخ میر محمد صاحب قوم ککے زئی عمر ۲۸ سال تاریخ بیعت
۱۹۲۸ء ساکن نوشہرہ ککے زئیاں ڈاکخانہ نوشہرہ ضلع سیالکوٹ حال ملتان بقائمی ہوش و
حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۴ / ۱۳۱۹ ش حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ اس وقت میری
حسب ذیل جائداد ہے :۔ (۱) کڑے طلائی ۹ تولے (۲) نکلس طلائی ۷ تولہ (۳) کانٹے طلائی
وزن ایک تولہ (۴) کانٹے و گلوبند طلائی وزن ۶ تولے کل وزن مندرجہ بالا زیورات ۲۳ تولے
جس کی قیمت موجودہ نرخ کے لحاظ سے ۱۰۳۵/- روپے ہے۔ علاوہ اس کے ایک بیٹھک واقعہ
قادیان مبلغ ۷۰/- روپے میں میرے پاس رہن ہے۔ کچھ اراضی زرعی واقعہ نوشہرہ جس کی
قیمت ۳۰۰/- روپے ہے میرے والد صاحب نے مجھے دی ہے مبلغ ۱۵۰/- روپے نقد موجود
ہیں۔ مبلغ ۷۰۰/- روپیہ حق مہر جو میرے خاوند مرزا احمد زمان صاحب کے ذمہ ہے۔ اس کل
جائیداد مالیتی ۲۲۵۵/- کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اگر میری
کوئی جائیداد اس کے علاوہ بوقت وفات ثابت ہو، تو اس کے بھی دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن
احمدیہ قادیان ہو گی۔ اگر مندرجہ بالا جائیداد کے دسویں حصہ کی قیمت میں سے کوئی رقم میں اپنی زندگی
میں ادا کر دوں تو وہ کل رقم میں سے منہا سمجھی جائے گی۔ الامۃ :۔ آمنہ بیگم بقلم خود۔ گواہ شد :۔
مرزا احمد زمان خاوند موصیہ۔ گواہ شد :۔ محمد حیات خان احمدی ساکن ملتان آنریری انسپکٹر بیت المال

نمبر ۵۶۶۳ :۔ منکہ احمد علی اسلم ولد مولوی حسن علی صاحب مرحوم قوم راجپوت بھٹی پیشہ
تجارت عمر ۲۳ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج
بتاریخ ۱۹ / ماہ وفا ۱۳۱۹ ہش حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری منقولہ جائیداد اس وقت

کوئی نہیں۔ صرف غیر منقولہ جائیداد بصورت مکان رہائشی واقع دارالرحمت قادیان ہے جس کی قیمت اس وقت ۵۰۰/- روپے جس کے ½ حصہ کا میں مالک ہوں۔ اور مبلغ پچھتر روپے میرے ذمہ قرض ہے قرض منہا کرنے کے بعد میں اپنی جائیداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان دارالامان کرتا ہوں۔ اس کے سوا میری ماہوار آمد قریباً آٹھ روپے ہے۔ اس کا بھی ۱/۱۰ حصہ ماہ بماہ ادا کرتا رہونگا انشاء اللہ۔ اور کمی بیشی کی اطلاع دفتر بہشتی مقبرہ کو دیتا رہونگا۔ میری فوتیدگی کے بعد اگر میری کوئی اور جائیداد ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ میرے ورثا کو مزاحمت کا کوئی حق نہ ہوگا۔ العبد:۔ احمد علی اسلم حال لاہور۔ قادیان۔ گواہ شد:۔ رحیم بخش محصل دہلی دروازہ لاہور۔ گواہ شد:۔ محمد یوسف علی احمدی فٹر ریلوے ورکشاپ لاہور۔

نمبر ۵۶۳۸ ۔ منکہ گوہردین ولد میاں فتح دین صاحب قوم بلیچ جٹ عمر ۵۱ سال بعیت ۱۳۱۶ ہش ساکن زیرہ حال لاہور بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۱۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد منقولہ اس وقت کوئی نہیں۔ صرف جائیداد غیر منقولہ بصورت مکان سکنی واقعہ کوچہ احمدیہ مشین مادھورام زیرہ ضلع فیروزپور مالیتی ۵۰۰/- ہے جس پر ایک صد روپیہ اپنی بیوی سے قرض لیکر لگایا ہے گویا کہ میری ملکیت اس وقت بصورت مکان صرف ۴۰۰/- روپے ہیں۔ جس کے ۱/۱۰ حصہ یعنی ۴۰/- روپے کی وصیت میں بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان دارالامان کرتا ہوں۔ میرا گذارہ اس وقت اپنے لڑکوں کی کمائی پر ہے۔ تھوڑا بہت کام بھی کبھی کرتا ہوں۔ کوئی خاص ماہوار آمد نہیں جو بھی کماؤنگا اس کا ۱/۱۰ حصہ بھی بطور حصہ آمد ادا کرتا رہوں گا۔ علاوہ مندرجہ بالا جائیداد کے اگر کوئی اور جائیداد میری فوتیدگی کے وقت ثابت ہو تو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی بھی مالک صدر انجمن احمدیہ ہذا ہوگی۔ العبد:۔ نشان انگوٹھا گوہردین لاہور متصل احمدیہ مسجد بیرون دہلی دروازہ۔ گواہ شد:۔ خدا بخش عبد پسر کلاں موصی۔ گواہ شد:۔ کریم بخش درزی پسر موصی۔

Digitized by Khilafat Library

نمبر ۵۷۰۰ ۔ منکہ محمد مالک ولد چوہدری فتح علی صاحب قوم جٹ چند ھڑ پیشہ طالب علم عمر ۲۱ ½ سال تاریخ بیعت دسمبر ۱۹۳۸ء ساکن گگھڑ ڈاکخانہ خاص ضلع گوجرانوالہ بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۳۰ ماہ ظہور ۱۳۱۹ ہش حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری منقولہ جائیداد کوئی نہیں۔ میری غیر منقولہ جائیداد حسب ذیل ہے۔ موضع چک ۱۱۱ شاخ شمال ضلع سرگودھا میں اپنے چچوں کے ساتھ ہماری مشترکہ پچاس گھماؤں زمین ہے۔ جس میں میرا حصہ ۱۰ ایکڑ ہے موضع گکھڑ ضلع گوجرانوالہ میں اپنے چچوں کے ساتھ ہماری مشترکہ زمین تقریباً ایک سو پچاس ایکڑ ہے۔ جس میں میرا حصہ

۳۰ ایکڑ ہے میری کل زمین اس طرح ۴۰ ایکڑ ہے۔ جس کی موجودہ قیمت تقریبًا -/۱۲۰۰۰ روپیہ ہے بس اس جائیداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ موضع گکھڑ میں میرا اپنے چچا کے ساتھ مشترکہ مکان ہے۔ جس کی اندازًا قیمت -/۲۰۰۰ روپیہ ہے۔ جس میں میرا نصف حصّہ ہے جس کی قیمت -/۱۰۰۰ روپیہ ہے۔ وہ میرا ارادہ ہے کہ اپنی بیوی کو حق مہر میں دیدوں اس لئے مَیں اس مکان کی وصیّت نہیں کرتا۔ اس کے علاوہ میری کوئی جائیداد نہیں۔ میرا اس وقت گزارہ میری اسس جائیداد کی آمدنی پر ہے مَیں اس آمدنی کا ۱/۱۰ حصّہ تازیست خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں داخل کرتا رہونگا۔ اس کے علاوہ اگر میری ملازمت کا سلسلہ بنا تو میں اپنی ماہوار تنخواہ میں سے بھی ۱/۱۰ حصّہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کیا کرونگا۔ میری وفات کے وقت اگر علاوہ اس جائیداد کے کوئی اور جائیداد ثابت ہو تو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائیداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں بمد وصیّت داخل یا حوالہ کرکے رسید حاصل کرلوں تو ایسی رقم یا ایسی جائیداد کی قیمت حصّہ وصیّت کردہ سے منہا کردی جائے گی:۔

العبد:۔ محمد مالک بقلم خود۔ گواہ شد:۔ سلطان علی احمدی گکھڑ۔ گواہ شد:۔ امانت علی احمدی گکھڑ:۔

نمبر ۵۶۹۱:۔ منکہ فتحدین ولد عمردین قوم ارائیں پیشہ زمینداری عمر ۵۰ سال تاریخ بیعت اگست ۱۹۲۰ء ساکن ہرسیاں ڈاکخانہ دیال گڑھ ضلع گورداسپور بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۴ ۴/۹ حسب ذیل وصیّت کرتا ہوں:۔ میں بصدق دل جائیداد کے ۱/۱۰ حصّہ کی وصیّت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اس وقت میری حسب ذیل جائیداد ہے:۔ (۱) ایک گھماؤں ۵ مرلے زمین چاہی جو مجھے ورثہ میں ملی ہے موضع ہرسیاں میں واقع ہے اس کی قیمت موجودہ نرخ کے حساب سے مبلغ -/۶۰۰ روپے ہے۔ (۲) ایک مکان خام واقعہ ہرسیاں قیمتی -/۵۰ روپے مجھے ورثہ میں ملا ہے۔ (۳) ۵ کنال زمین میرے پاس اس وقت کسی دوسرے شخص کی مبلغ -/۱۲۵ روپے میں رہن ہے۔ یہ زمین بھی ہرسیاں میں واقع ہے۔ اس طرح میری جائیداد کی کل قیمت مبلغ -/۷۵۰ روپے بنتی ہے۔ انشاءاللہ میں کوشش کروں گا۔ کہ اس کل جائیداد کا ۱/۱۰ حصہ مبلغ -/۷۵ روپے اپنی زندگی میں ادا کردوں اگر کچھ حصہ ادا کرکے میں صدر انجمن احمدیہ قادیان سے رسید حاصل کرلوں تو اس رقم کو میری جائیداد کی وصیّت سے منہا کردیا جائے گا نیز مَیں یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ اگر اس جائیداد کے علاوہ میری وفات پر کوئی اور جائیداد ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر مجھے اس کے علاوہ کوئی آمد ہوئی تو میں اس کا ۱/۱۰ حصہ خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں داخل کراتا رہونگا

العبد:۔ فتحدین نشان انگوٹھا۔ گواہ شد:۔ عبدالرحمٰن بی۔اے۔ ہرسیاں۔ گواہ شد:۔ میاں غوث محمد ہرسیاں ٭

نمبر ۵۷۳۳:۔ منکہ عصمت اللہ خاں ولد ملک نیاز محمد خان صاحب قوم ککے زئی عمر ۱۸ سال پیدائشی احمدی ساکن چک $\frac{109}{9.L}$ ڈاکخانہ منٹگمری بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ $\frac{11}{19}$۵ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت کوئی جائیداد نہیں۔ مجھے اپنے والد صاحب کی طرف سے مبلغ صہ روپے ماہوار بطور جیب خرچ ملتا ہے۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اس کے بعد اگر میری مزید آمدنی ہوگی تو اس میں سے بھی ۱/۱۰ حصہ ادا کرتا رہونگا انشاء اللہ اگر بوقت وفات میری جائیداد ہو تو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان حقدار ہوگی۔ اور اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم بطور حصہ جائیداد دیکر رسید حاصل کرلوں تو اسے منہا سمجھا جاوے وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم:۔ العبد:۔ عصمت اللہ خاں ملک بقلم خود۔ گواہ شد:۔ ملک صلاح الدین پرائیویٹ سیکرٹری حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ ٭ گواہ شد:۔ نیاز احمد احمدی ڈسپنسر والد موصی ٭

Digitized by Khilafat Library

نمبر ۵۷۳۲:۔ منکہ عبدالرحمٰن ولد مولوی شیر علی صاحب قوم رانجھا احمدی پیشہ ملازمت عمر ۴۳ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۲ ماہ نبوت ۱۳۱۹ھش حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد اس وقت کوئی نہیں۔ اس وقت میری ماہوار آمد بصورت تنخواہ ایک سو پچیس روپے ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ انشاء اللہ تعالے۔ میرے مرنے کے وقت میری جس قدر جائیداد ثابت ہو۔ اس کے دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد:۔ عبدالرحمٰن نشان انگوٹھا بایاں عبدالرحمٰن۔ قادیان۔ گواہ شد:۔ شیر علی عفی عنہ بقلم خود ٭ گواہ شد:۔ مفتی محمد صادق عفی اللہ عنہ ٭

نمبر ۵۷۲۹:۔ منکہ بشارت احمد بشیر ولد مولانا مولوی عبدالرحمٰن صاحب قوم ککے زئی پیشہ طالب علم عمر ۱۸ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان دارالامان ضلع گورداسپور بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۳۰ ماہ اخاء ۱۳۱۹ھش حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اس وقت میری جائیداد منقولہ وغیر منقولہ نہیں ہے مجھے میرے والد بزرگوار صہ روپے ماہوار جیب خرچ عطا فرماتے ہیں۔ میں اس کے آٹھویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اور جوں جوں بفضلہ تعالیٰ میری آمد بڑھتی جائیگی میں اس کا آٹھواں حصہ ادا کرتا رہونگا نیز میرے مرنے کے بعد اگر میری کسی قسم کی کوئی

جائیداد منقولہ وغیر منقولہ ثابت ہو۔ تو اس کے چھٹے حصّے کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اور اگر میں کوئی روپیہ اس جائیداد کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ وصیت کی مد میں کروں تو اس قدر روپیہ اس کی قیمت سے منہا کر دیا جائے گا۔ العبد:۔ بشارت احمد بشیر بقلم خود۔ گواہ شد: عبدالرحمٰن والد موصی۔ گواہ شد:۔ ملک صلاح الدین پرائیویٹ سیکرٹری حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ:

نمبر ۵۶۸۱:۔ منکہ عبداللہ خاں ولد امام الدین خانصاحب قوم راجپوت پیشہ زمینداری عمر ۵۰ سال تاریخ بیعت ۱۹۰۵ء ساکن چنگن ڈاکخانہ ملاں پور ضلع لدھیانہ حال ملتان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ $\frac{۸}{۱۳۱۹}$ ۱۵ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں:۔

میری اس وقت مندرجہ ذیل جائیداد ہے:۔ اراضی زرعی تقریباً ساٹھ بیگھہ خام واقع موضع چنگن ضلع لدھیانہ جس کی اندازاً قیمت تین ہزار روپیہ ہے۔ علاوہ اس کے قریباً آٹھ مرلہ اراضی سفید برائے مکان بھی موضع چنگن میں موجود ہے جس کی قیمت اندازاً اڑھائی روپیہ ہے۔ اس جائیداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ میرا گذارہ اس جائیداد پر نہیں بلکہ ٹھیکہ داری کا کام کرتا ہوں جس کی اندازاً اوسط تیس روپے ماہوار ہوگی۔ میں اپنی آمدنی کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ اور یہ بھی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتا ہوں۔ کہ میری جائیداد جو بوقت وفات ثابت ہو۔ اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں کوئی روپیہ ایسی جائیداد کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کروں تو وہ روپیہ میرے حصہ جائیداد میں سے مجرا دیا جاویگا۔

العبد:۔ عبداللہ خان بقلم خود احمدی۔ ٹھیکیدار ملتان۔ گواہ شد:۔ غلام حسن خاں میل سارٹر ریلوے میل سروس ملتان بقلم خود۔ گواہ شد:۔ محمد حیات خاں احمدی ساکن ملتان آنریری انسپکٹر بیت المال:

Digitized by Khilafat Library

Digitized by Khilafat Library

تفسیر سروری

(یعنی)

جماعت احمدیہ کے مفسرِ قرآن حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب کی وہ تفسیر القرآن جو رسالہ ریویو (اردو) میں چھپتی رہی ہے، اس کی چند گنتی کی جلدیں برائے فروخت دفتر میں موجود ہیں۔ یہ تفسیر شروع سے آٹھویں پارے تک کی ہے، مگر درحقیقت اسمیں سارے قرآن مجید کے مشکل مقامات حل کئے گئے ہیں۔ یہ نہایت عام فہم تفسیر ہے۔ اسکے پڑھنے سے حسب استعداد تفسیر القرآن کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ رسالہ ریویو کے سائز پر اس کے کُل دو ہزار صفحے ہیں۔ پہلے اس کی قیمت پندرہ روپے تھی۔ مگر اب بعض فوری ضروریات کی وجہ سے اس کی رعایتی قیمت صرف چھ روپے رکھی گئی ہے۔ آج ہی بذریعہ منی آرڈر بنام مینجر رسالہ ریویو (اردو) ارسال کر اپنے لئے ایک جلد محفوظ کرا لیں بعد میں یہ بیش بہا خزانہ کسی قیمت پر بھی نہ مل سکے گا۔

ملنے کا پتہ

مینجر رسالہ ریویو۔ اُردو۔ قادیان

Digitized by Khilafat Library

پانچ لاکھ روپیہ کے پانچ شاہی نسخے مفت حاصل کریں!

گلدستہ تعلیم الدین مجلد سنہری حجم چھ سو صفحات جس میں قرآن کریم کا ترجمہ سکھلانے کیلئے دو سو صفحوں پر ایک سو پندرہ سبق اور ایک سو صفحات پر کئی سو احادیث کا ترجمہ معہ تشریح اور پچاس صفحوں پر فارسی درثمین کا سلیس اردو ترجمہ اور اڑھائی سو صفحوں پر عالم فاضل بنانیوالے سوالہ علمی و تبلیغی مضامین درج ہیں نیز حضرت خلیفہ اول رضؓ اور نامی گرامی حکیموں کے پچاس ساٹھ مجرب المجرب طبی نسخہ جات شامل کر دیئے ہیں انکے علاوہ خاکسار نے آپؓ کی مشہور طبی کتاب "بیاض نور الدینؓ" قیمتی پانچ روپیہ کے ہزارہا نسخوں میں سے پانچ چوٹی کے اکسیری نسخے انتخاب کر کے شائع کئے ہیں۔ جو "گلدستہ تعلیم الدین" کے ہر خریدار کو بطور تحفہ مفت پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔ پہلا نسخہ "زود جام عشق" ہے جسکے استعمال کرنیکے بعد کشمیر کے ایک مسلمان رئیس نے آپ کو کئی ہزار روپیہ نذرانہ پیش کیا ملک سندھ کا ایک حکیم چالیس روپیہ فیس لیکر یہ نسخہ بتلایا کرتا تھا۔ یہ دوا اعلیٰ درجہ کی مقوی اعضائے رئیسہ و باہ ہے۔

۲۔ دوسرا نسخہ "تریاق مرض اٹھرا اور دافع اسقاط حمل" ہے۔ جس کے متعلق آپ نے فرمایا کہ اس سے بہتر علاج مرض اٹھرا (حمل گر جانا اور بچوں کا متواتر چھوٹی عمر میں فوت ہو جانا) کا آجتک دیکھنے میں نہیں آیا۔"

۳۔ تیسرا نسخہ "اکسیر اولاد نرینہ" ہے جس کے متعلق آپ نے لکھا ہے کہ "جس عورت کو یہ دوا کھلائی گئی اس کے ہاں لڑکا ہی پیدا ہوا عجیب عظمت اور شرف کی دوا ہے۔"

۴۔ چوتھا نسخہ "اکسیر مردانہ بانجھ پن" ہے یہ دوا آپ نے ایک رئیس فتح خان نون عمر اسی سال کو باکرہ سے شادی کرنیکے بعد استعمال کرائی۔ جس کے پہلے لڑکی پھر تندرست لڑکا پیدا ہوا۔"

۵۔ پانچواں نسخہ "اکسیر مرض سرسام" جس کے متعلق آپ نے لکھا ہے کہ "ہم نے اپنی عمر میں اس سے عمدہ نسخہ سرسام کا نہ دیکھا نہ سنا اور نہ کوئی شخص یہ نسخہ بتلاتا ہے۔ الا ماشاء اللہ منجملہ عجائبات طب ہے۔"

گلدستہ تعلیم الدین کی قیمت پہلے دو روپیہ تھی۔ اب صرف سوا روپیہ ہے کپڑے کی مجلد کتاب جس پر سنہری نام کندہ ہو ڈیڑھ روپیہ پر ملے گی ناپسندیدگی پر دس روز تک واپسی کی شرط ہے نیز چار ماہ میں قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنے کی ترکیب بھی مفت بھیجی جاتی ہے۔ (۱) عمدہ لغات القرآن اردو مکمل قیمت آٹھ آنہ (۲) خطبات نور جلد اول و دوم قیمت ڈیڑھ روپیہ (۳) قرآن کریم مترجم بطرز یسرنا القرآن ہدیہ دو روپیہ (۴) حمائل شریف مترجم از حافظ روشن علی صاحب ہدیہ طبع اول تین روپیہ موجودہ سوا روپیہ (۵) اسوہ حسنہ۔ مولفہ حضرت علامہ میر محمد اسحٰق صاحب حجم دو سو صفحے قیمت طبع دوم چھ آنے (۶) طب روحانی قیمت آٹھ آنہ (۷) قاعدہ یسرنا القرآن بڑا قیمت تین آنہ (۸) چھوٹا ایک آنہ (۹) حمائل شریف عکسی سوا روپیہ (۱۰) حمائل شریف جیبی عکسی صرف آٹھ آنہ۔ المشتہر۔ حکیم عبداللطیف شہید منشی فاضل، ادیب فاضل مینیجر دفتر گلدستہ تعلیم الدین احمدیہ بازار۔ قادیان پنجاب۔

(اللہ بخش سٹیم پریس قادیان میں بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی پرنٹر و پبلشر نے چھاپ کر مالکان کے لئے قادیان سے شائع کیا)